بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

عکسِ دروں

سلسلۂ مضامین	عنوانِ مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
صدائے حسن	یہ دنیا دارالامتحان ہے	اداریہ	3
اسلامی زندگی	صبر کی فضیلت	مولانا سید نور حسین شاہ	6
	قربانی کے مسائل واحکام	مولانا عنایت اللہ	9
تحقیقی مضامین	عیدالاضحیٰ اور تکبیرات تشریق کے بنیادی احکام	مفتی محمد فہیم اللہ	15
	حج کی فضیلت اور ارکان وشرائط	مفتی ابو محمد	20
	مقامِ بخاریؒ	علامہ شمس الحق افغانیؒ	34
تذکرۂ اکابرین	حضرت مولانا محبّ اللہ باباجیؒ	مولانا عبید اللہ صاحب	40
بیاناتِ جمعہ	گناہوں کو مٹانے اور درجات بلند کرنے کے تین اعمال	مفتی غلام اللہ صاحب	42
	تقویٰ کے معنی اور علامات	مفتی غلام اللہ صاحب	47
دارالافتاء	صاحب نصاب کے لیے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ اور فرضیت حج کا حکم	مفتی حمید اللہ جان	53
اخبار جامعہ	جامعہ کے شب وروز	مولانا امجد علی حقانی	56

زرِ سالانہ اندرونِ ملک: 300 روپے۔ زرِ سالانہ بیرونِ ملک: 20 ڈالر

ای میل ایڈریس: Muftifahim@gmail.com

atifshah336@gmail.com

ویب ایڈریس: www.alhasan.org

اکاؤنٹ نمبر: میزان بینک: 8101.0100843213

MCB: 0284.1002564

﴿صدائے حسن﴾

یہ دنیا دارالامتحان ہے......

مولانا عاطف شاہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے لحہ بہ لحہ ہر انسان کی آزمائش اور امتحان ہوتا رہتا ہے، چاہے وہ فقیر ہو یا مالدار، بیمار ہو یا تندرست، عورت ہو یا مرد، نیک ہو یا بد، حاکم ہو یا محکوم؛ غرض ہر ایک کسی نہ کسی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے۔ تاکہ پتہ چلے کہ کون اس امتحان میں کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام۔ پھر اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ﴾ (البقرة: ۱۵۵)

ترجمہ: اور ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور (کبھی) خوف سے، (کبھی) بھوک سے اور (کبھی) مال وجان میں اور پھلوں میں کمی کر کے۔

اسی طرح سورۃ البقرہ آیت نمبر (۱۲۴) میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مختلف قسم کی سخت آزمائشوں سے گذرا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام ان تمام امتحانات میں پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہ کر سرخ رو ہوئے۔ نیز حضرت سلیمان علیہ السلام جن وانس پر بادشاہت کے باوجود اللہ کی طرف رجوع فرما کر راہِ راست پر ڈٹے رہے، جبکہ اُن کے مقابلے میں فرعون وقارون وغیرہ کثرتِ مال ودولت کے نشے میں مست ہو کر غرور وتکبر میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئے۔

غرض! دنیا تو دارالامتحان ہے، اس میں وقتاً فوقتاً امتحان ہوتا رہے گا، کبھی یہ امتحان خوف وہراس، بھوک وافلاس، فقر وفاقہ، مالی وجانی تکالیف اور آلام ومصائب کی شکل میں رونما ہوتا ہے تو کبھی مالی وجانی فراوانی اور خوشحالی کی شکل میں۔ لیکن کامیاب انسان وہ ہے، جو ہر حال میں عملی طور پر ثابت قدمی سے کام لے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مال ودولت اور اولاد اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہیں، لیکن ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان کی آزمائش بھی قرار دے دیا ہے۔ (تغابن: ۱۵)

بہر حال یہ مالی وجانی وسعت و مالداری اگر چہ بظاہر ایک عظیم نعمت ہے، لیکن دوسری طرف آزمائش بھی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ’’إن لكل أمة فتنة وفتنة أمتي المال ‘‘ (ہر اُمت کی آزمائش کسی نہ کسی چیز میں ہے اور میری اُمت کی آزمائش مال میں ہے۔ (ترمذی)

لہذا مالداری کے مقتضیات کو سامنے رکھ کر اس کے مطابق زندگی گزارنا ہی کامیابی ہے، ورنہ بصورتِ دیگر نجات مشکل ہے۔ مالداری کے امتحان میں پاس ہونا بھی کافی مشکل ہے، لیکن مالی قلت اور فقر وفاقہ وغیرہ کی صورت میں آزمائش بہت سخت اور مشکل ہوتی ہے، خصوصاً آج کل مہنگائی کے اس دَور میں تو مشکلات میں اور بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

عزیزانِ محترم! یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بعض اوقات مہنگائی، فقر وفاقہ یا ان جیسے مشکل اور پریشان کن حالات گناہوں کی وجہ سے آتے ہیں اور انسان اس سے غافل ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

”وَإن الرجل ليُحرَم الرزقَ بالذنب يصيبه“. (مشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ: اور آدمی (حلال) رزق سے اپنے اس گناہ کی وجہ سے محروم کر دیا جاتا ہے، جس کو وہ کر بیٹھتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ گناہوں کی وجہ سے انسان متوقع رزق سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ لہذا حدیث کی روشنی میں غربت، فقر وافلاس اور مہنگائی کا ایک سبب گناہ بھی ہے، لہذا جب بھی ایسے حالات درپیش ہوں تو اپنے اعمال پر نظر کر کے ان کی اصلاح کر لینی چاہیے۔

لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ آج کل لوگوں نے فقر وفاقہ اور خصوصاً موجودہ مہنگائی کو بنیاد بنا کر دوسروں کے مال پر ڈاکہ ڈالنے کو روا سمجھا ہے، کہیں پر زبردستی کر کے مال چھین لیا جاتا ہے اور کہیں پر چوری چھپے دوسروں کا مال ہڑپ کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی وارداتیں شب وروز دیکھنے اور سننے میں آتی رہتی ہیں۔ اس قسم کا ایک واقعہ گزشتہ سال رمضان کے آخری عشرے میں اس مدرسہ کے ایک طالب علم کے ساتھ بھی پیش آیا کہ کسی ضرورت کے پیشِ نظر بازار گیا ہوا تھا، دکان کے باہر موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کر کے خود اندر چلا گیا اور جب باہر آیا تو دیکھا کہ چور موٹر سائیکل چوری کر کے راہِ فرار اختیار کر چکا تھا۔

اسی طرح مہنگائی کو بہانہ بنا کر چھوٹے بڑے دکانداروں، نانبائیوں اور دودھ فروشوں نے بھی من مانی

شروع کر دی ہے اور ہر کسی کا اپنا ہی نرخنامہ ہے۔ گویا کہ لوٹ کسوٹ کو مہنگائی کے نعروں سے قانونی اور اخلاقی جواز فراہم کیا جاتا ہے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ بعض لوگ جواباً یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ''مہنگائی اتنی زیادہ ہے کہ اگر چوری اور لوٹ مار نہ کریں تو اور کیا کریں گے، کھائیں گے کہاں سے''؟ تو یہ بتادیا جائے کہ کیا اس طریقے سے ان کی مشکلات کم ہوسکتی ہیں؟ نہیں بالکل نہیں، جیسا کہ مشہور مقولہ ہے ''کہ غل پر دی سل کورونہ وران کڑی نو خپل یو کور پہ نہ شی آبادَ ولے'' (یعنی اگر چور سو گھروں کو لوٹ لے، تب بھی اپنا ایک گھر آباد نہیں کر سکتا)۔
تو جناب! ہم مانتے ہیں کہ موجودہ دَور میں دیگر مشکلات اور مصائب کی طرح مہنگائی بھی ایک قسم کی سخت پریشانی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اپنی مصیبت دور کرنے کی خاطر دوسرے شخص کو تکلیف میں مبتلا کریں یا گراں فروشی اور ذخیرہ اندوزی کر کے موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

ایک مشہور فقہی قاعدہ ہے کہ "الضّررُ لا یُزال بِمثلِهٖ "(ضرر کو اس کے مثل کے ذریعے زائل نہیں کیا جائے گا)۔ یعنی اپنا ضرر دور کرنے کی خاطر ایسا طریقہ اپنانا، جس سے دوسروں کو تکلیف ہو، جائز نہیں۔

اب ان مشکلات سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم موجودہ وسائل پر صبر اور قناعت سے کام لیں، اپنی خواہشات کو لگام ڈال دیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اُس سے اپنے مسائل و مشکلات کا حل طلب کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ﴾ (البقرۃ:٤٥)

یعنی صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ اللہ تعالی قادر مطلق ذات ہے، اس کے لیے حالات بدلنا کوئی مشکل نہیں۔ نیز ان جیسے پریشان کن حالات میں آپ ﷺ کا بھی یہی معمول تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے: "إذا حزبه أمرٌ فزِعَ إلى الصلوة". (فتح الباری)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو آپ نماز میں پناہ ڈھونڈتے تھے۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ ہوش سے کام لیں اور شریعت نے جو آئین و دستور ہمیں دیا ہے، اسی کے مطابق عمل پیرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ نصیب فرمائے۔ آمین!

﴿ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ﴾

﴿اسلامی زندگی﴾

صبر کی فضیلت

(اُنتالیسویں قسط)

مولانا سید نور حسین شاہ

صابر کو شہید کے برابر اجر:

”عَنْ عَائِشَةَ : اَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الطَّاعُوْنِ فَاَخْبَرَهَا اَنَّهٗ كَانَ عَذَابًا يَبْعَثُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مَنْ يَشَاءُ فَجَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِيْنَ فَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقَعُ فِيْ الطَّاعُوْنِ فَيَمْكُثُ فِيْ بَلَدِهٖ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يُصِيْبُهٗ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ الشَّهِيْدِ .“(رواه البخاري)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ ایک عذاب تھا، اللہ تعالیٰ جن پر چاہتا ہے، اس پر مسلط فرما دیتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مسلمانوں کے لیے رحمت بنا دیا“، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا نہیں، جو اس مرض کے ابتلا کے وقت اُسی شہر میں صبر کے ساتھ رُکا رہے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کا اُمید وار رہے اور یہ سمجھے کہ جو کچھ پہنچا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ ایک شہید کے اجر کے برابر ثواب عطا فرمائیں گے۔

نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر اُمتِ مرحومہ کا وصف عظیم:

عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِؓ يَقُوْلُ : سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ يَقُوْلُ :اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ: عِيْسٰى اِنِّيْ بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ اُمَّةً اِذَا اَصَابَهُمْ مَايُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللّٰهَ وَاِنْ اَصَابَهُمْ مَايَكْرَهُوْنَ اِحْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ : يَارَبِّ! كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَاعَقْلَ ؟ قَالَ: اُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِيْ وَ

عِلْمِيُ.“(رواه البيهقي في شعب الايمان،لكن اسناده ضعيف،لأن فيهاخارجة بن مصعب وهو متروك. (تقريب التهذيب لحافظ ابن حجر العسقلاني)

ترجمہ:”سیدہ ام الدرداءؓ کہتی ہیں کہ میں نے سیدنا ابوالدرداءؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ابوالقاسمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اے عیسیٰ ! میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کروں گا کہ جب انہیں کوئی پسندیدہ چیز (نعمت وراحت) ملے گی تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کریں گے اور جب کوئی ناپسندیدہ چیز (یعنی تکلیف ومصیبت) پہنچے گی تو ثواب کی اُمید رکھیں گے اور صبر کریں گے درانحالیکہ نہ تو (کسبی یا کامل) عقل ہوگی اور نہ بردباری ۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! یہ کیوں کر ہوگا، جبکہ نہ عقل ہوگی نہ بردباری؟ پروردگار نے فرمایا: میں انہیں اپنی بردباری اور علم میں سے (کچھ حصہ) دے دوں گا۔“

یہاں امت سے نبی کریمﷺ کے نیک وفرمانبرداراور صلحامراد ہیں۔”نہ عقل ہوگی، نہ بردباری“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ مصیبت وتکلیف کی وجہ سے بردباری وعقل جاتی رہے گی ،لیکن مصیبت وتکلیف پرصبر کریں گے اور ثواب کے طلب گار ہوں گے۔یعنی بردباری اور عقل دونوں ایسے وصف ہیں کہ ان کی وجہ سے انسان مصیبت وحادثہ کے وقت جزع وفزع اور بے صبری اختیار کرنے سے باز رہتا ہے اور یہ جان کر صبر وسکون کے دامن کو پکڑے رہتا ہے کہ نفع ونقصان اور تکلیف وراحت سب کچھ اللہ رب العزت ہی کی طرف سے ہے،لہذا ان دونوں اوصاف کے نہ ہونے کے باوجود صبر وسکون کے دامن پکڑے رہنا قابل تعجب بات ہے،لیکن اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ایسے مواقع پر امتِ مرحومہ کے افراد کو عقل ودانش اور حلم وبردباری کا وہ نور عطا کرتا ہے، جو کسبی نہ ہوگا،جس کی وجہ سے بڑی سے بڑی مصیبت پر وہ صبر کریں گے اور ثواب کے اُمیدوار ہوں گے۔(ازافادات محمد قطب الدین دہلوی)

حوران بہشت میں سے انتخاب کا اختیار:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُنَفِّذَهٗ دَعَاهُ اللّٰـهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ مِنَ الْحُوْرِ الْعَيْنِ

مَا شَاءَ ".(رواه ابوداؤد والترمذي وقال حديث حسن)

سیدنا معاذ بن انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنا غصہ اتارنے کی قدرت رکھنے کے باوجود غصہ پی لے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجمع خلائق میں اسے توقیر کے ساتھ بلائیں گے (اور بطورِ صلہ) اسے یہ اختیار عطا ہوگا کہ حورانِ بہشت میں سے اپنے لیے جسے چاہے، انتخاب کرے۔

غصہ پینے کے لیے صبر درکار ہے۔ایک صابر انسان ہی غصہ پی سکتا ہے تو حدیث سے بھی غصہ پینے کے ضمن میں صبر کا ذکر موجود ہے۔

دشمن کے مقابلے میں جم جانا اور صبر کرنا :

عن أبی ابراهيم عبد الله بن اَبِيْ اَوْفٰیؓ اَنَّ رَسول اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَعْضِ اَيَّامِهِ الَّتِيْ لَقِيَ فِيْهَا الْعَدُوَّ انْتَظَرَ حَتّٰى اِذَا مَالَتِ الشَّمْسُ قَامَ فَقَالَ: يَااَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ ثم قَالَ النَّبِيُّ ......الخ.(متفق عليه)

سیدنا ابوابراہیم عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کسی دشمن کی گھات پر تھے اور آفتاب کے ڈھلنے کا انتظار فرمارہے تھے کہ اسی دوران آپ ﷺ اپنی جگہ کھڑے ہوکر ارشاد فرمانے لگے کہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی آرزو اور تمنا نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت وسلامتی ہی طلب کرتے رہو اور جب مقابلہ ہو ہی جائے تو پھر جم جاؤ اور صبر کرو اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ جنت تلوار کے زیرِ سایہ ہے۔

ملحوظہ :

یہاں بھی صبر کا تذکرہ، جنت کا تذکرہ اور تلوار کا تذکرہ ہے، ان کو غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ تلوار کے لیے صبر اور صبر کے لیے دخول جنت ہے۔

﴿احکامِ قربانی﴾

قربانی کے مسائل واحکام

مولانا عنایت اللہ (مدرس دارارقم ترناب)

''اُضحیّہ'' لغت میں اس جانور کو کہا جاتا ہے، جس کو یوم الاضحیٰ میں ذبح کیا جاتا ہے۔ شریعت میں اضحیّہ بہ نیتِ ثواب مخصوص حیوان کو یوم الاضحیٰ میں ذبح کرنے کا نام ہے۔

اضحیہ کی مشروعیّت کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اجماع تینوں سے ثابت ہے۔ قرآن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ فصلّ لربك وانحر﴾ (الکوثر:۲)

ترجمہ: تم اپنے پروردگار کی (خوشنودی) کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

قربانی کی اصل حقیقت جان کو قربان کرنا تھا، جانوروں کی قربانی بعض مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر اس کے قائم مقام کر دی گئی۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت زید بن ارقمؓ راوی ہے کہ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یعنی سنت ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمارے لیے اس میں کیا ہے؟ فرمایا: گائے اور بکری قربانی کرنے میں ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے، پھر عرض کیا: دنبہ، بھیڑ اور اونٹ کے اون کے بدلے میں کیا ہے؟ فرمایا: ہر بال کے بدلے میں نیکی۔ (مشکوۃ)

حنفیہ کے نزدیک قربانی واجب ہے۔

"قال رسول اللهﷺ من وجد سعة ولم يضح فلايقربن مصلانا".

قربانی ہر آزاد، مقیم، مالدار، مسلمان اور صاحب نصاب پر واجب ہے۔ ایامِ قربانی میں اگر ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے برابر رقم (سال 2023 کے مطابق 135000 روپے) اس کی ملکیت میں ہو اور اس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد ہو (چاہے یہ اثاثے نقد شکل میں ہوں یا مالِ تجارت یا ضرورت سے

زائد سامان ہو یا رہائشی مکان کے علاوہ زائد مکان ہو، اگر چہ تجارت کے لیے نہ ہو اور اس پر سال گزرا ہو یا نہ گزرا ہو) تو اس پر قربانی واجب ہے۔

فقیر پر قربانی واجب نہیں ہے، لیکن اگر کرے تو ادا ہو جائے گی۔ حنفیہ کے نزدیک مسافر پر مشقت کی وجہ سے قربانی واجب نہیں ہے۔ جس شخص نے اس واجب قربانی کا قصد کیا تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔

قربانی اونٹ، بقر اور غنم کی جائز ہے۔ غنم، بھیڑ، بکری اور دنبہ سب کو شامل ہے۔ گھوڑے کی قربانی ثابت نہیں ہے۔ ہرن، نیل گائے اور بارہ سنگا کی قربانی بھی درست نہیں ہے۔ جانوروں کی قربانی توقیفی اور سماعی ہے، قیاس کو اس میں دخل نہیں ہے۔

بکرا، بکری، دنبہ اور بھیڑ ایک سال کا ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، البتہ اگر بھیڑ دنبہ چھ ماہ یا اِس سے زیادہ کا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے، بشرطیکہ اتنا فربہ اور بڑا ہو کہ ایک سال کا معلوم ہوتا ہو۔ گائے اور بھینس دو سال کے ہو کر تیسرے سال میں داخل ہو چکے ہوں اور اونٹ پانچ سال کا ہو۔

قربانی کی نیت سے گائے وغیرہ خرید کر بعد میں کسی اور کو شریک کرنا استحساناً جائز ہے، قیاساً جائز نہیں ہے۔ لہذا خریدنے سے پہلے یا خریدتے وقت ہی کسی کو شریک کرنے کی نیت کرنی چاہیے۔

بھیڑ، دنبہ، بکرا اور بکری کی قربانی ایک آدمی کی طرف سے ہے۔ گائے اور اونٹ وغیرہ میں سات یا سات سے کم شریک ہو سکتے ہیں، یہ حکم استحساناً ہے۔ حضرت جابرؓ کی حدیث ہے:

" نحرنامع رسول الله ﷺ البقرة عن سبعة والبدنة عن سبعة".(أبو داؤد)

لیکن کسی شریک کا بنیادی حصہ کم از کم ساتویں سے کم نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ وصفِ قربت معدوم ہو جائے گا اور قربانی کسی کی طرف سے بھی ادا نہ ہوگی۔ (الہدایہ)

حنفیہ کے نزدیک ہر صاحب نصاب کے ذمے الگ الگ قربانی واجب ہے، ایک بکری سارے گھر والوں کے لیے کافی نہیں ہے۔ فربہ اور موٹے جانور کی قربانی مستحب ہے۔ درج ذیل عیب دار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے:

(۱) اندھا، جس کی دونوں آنکھیں نہ ہوں یا ایک آنکھ ہو، لیکن بینائی نہ ہو۔

(۲) کانا، یعنی ایک آنکھ کی بینائی نہ ہو۔

(۳) لنگڑا، جو مذبح تک نہ جاسکتا ہو۔

(۴) دبلا پتلا مریل، جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔

قربانی کے متعلق چند اہم مسائل اور احکام:

۱۔ پورا کان یا دُم کٹی ہوئی ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ اگر اکثر کان یا دم باقی ہو تو جائز ہے۔

۲۔ جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں یا اوپر کا خول اُتر گیا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔ اگر سینگ جڑ سے ٹوٹا ہو یا اکھڑے ہوئے ہوں اور چوٹ کا اثر اور زخم ظاہر ہو یا دماغ تک پہنچ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔

۳۔ خصی: جس جانور کے فوطے نکال دیے گئے ہوں یا مل دیے گئے ہوں تو اس کی قربانی درست ہے، کیونکہ اس کی قربانی رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے اور اس کا گوشت بھی عمدہ ہوتا ہے۔

۴۔ جرباء: یعنی خارش زدہ کی قربانی جائز ہے، جبکہ موٹا تازہ ہو اور خارش نے اس کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔

۵۔ ثولا: یعنی دیوانہ وباؤلا، جو اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے، البتہ گوشت ٹھیک ہو تو قربانی درست ہے۔

۶۔ اگر اکثر دانت باقی ہوں، چارہ کھا سکتا ہو تو بقول امام ابو یوسفؒ درست ہے، ورنہ نہیں۔

مندرجہ بالا حکم اس وقت ہے کہ جب یہ عیوب خریداری کے وقت موجود ہوں، اگر بے عیب جانور خرید کر پھر عیب دار ہوا ہو تو عندالاحناف مالدار پر دوسری قربانی واجب ہے اور تنگدست کے لیے وہی کافی ہے۔ مالدار پر خریداری سے پہلے کامل جانور کی قربانی واجب تھی اور تنگدست پر خریداری کی وجہ سے واجب ہوگئی۔ اسی ضابطے کی بنا پر اگر قربانی کا جانور مرگیا تو مالدار پر دوسرا واجب اور تنگدست پر کچھ نہیں۔ اگر قربانی کا جانور گم یا چوری ہو گیا، پھر دوسرا خریدا گیا اور ایام قربانی میں پہلا بھی مل گیا تو مندرجہ بالا ضابطے کی بنیاد پر مالدار پر دونوں میں سے ایک کی قربانی واجب ہے اور تنگدست پر دونوں کی قربانی واجب ہے۔

۷۔ اگر ذبح کرتے وقت عیب پیدا ہو جائے، مثلاً ٹانگ وغیرہ ٹوٹ جائے تو عندالاحناف استحساناً اس جانور کی قربانی کافی ہے، کیوں کہ یہ حالاتِ ذبح اور مقدمات ذبح میں سے ہے۔

۸۔ قربانی کا جانور خرید کر شرکا میں سے ایک مرگیا تو ورثا کی اجازت سے استحساناً قربانی ادا ہو جائے گی، اگر شرکا نے بغیر اجازت کے ذبح کر دیا تو قربانی ادا نہ ہوگی۔

۹۔اگر شرکا میں سے چھ مسلمان ہوں اور ساتواں نصرانی ہو یا مسلمان ہو مگر نیت گوشت کی ہو تو ان میں سے کسی کی طرف سے قربانی ادا نہ ہوگی۔

۱۰۔اگر شرکا میں سے ایک نابالغ ہو اور اس کے باپ یا ولی نے اجازت دی تو قربانی ادا ہو جائے گی۔جہتیں مختلف ہونے سے بھی قربانی ادا ہو جاتی ہے،مثلاً کسی نے قربانی کی نیت کی،کسی نے حج کے دم شکر کی نیت کی،کسی نے عقیقہ وغیرہ کی نیت کی تو سب کی قربانیاں درست ہیں،اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک جہت عبادت ہے۔

۱۱۔اگر کئی بھائیوں کا مال مشترک ہو،پس ان شریک بھائیوں کا مال قرض ادا کرنے کے بعد اگر ہر ایک کا حصہ بقدرِ نصاب ہو تو ان میں سے بالغوں پر قربانی فرض ہوگی اور ہر ایک پر ایک بکرا یا گائے یا اونٹ وغیرہ کے ساتوے حصے کی قربانی واجب ہوگی۔مشترک مال میں سے صرف ایک بکرا ذبح کرنا کافی نہیں۔

۱۲۔ایک گائے میں کوئی بھی ایسا شخص شریک ہو،جس کی کل یا اکثر آمدنی حرام ہو تو اس کی شرکت سے دوسرے شرکا کی بھی قربانی درست نہیں ہوگی۔(احسن الفتاوی بحوالہ تسہیل الحقائق)

۱۴۔قربانی کا وقت شہر میں نمازِ عید کے بعد اور گاؤں (جہاں عید کی نماز جائز نہیں ہوتی) میں دس ذی الحجہ کے صبح صادق سے بارہویں ذی الحجہ کے غروب تک ہے۔قربانی کے تینوں دنوں میں پہلا دن افضل ہے۔

۱۵۔اگر کسی شہر یا قصبے یا بڑے گاؤں میں کہیں بھی نمازِ عید ادا ہو جائے تو پورے شہر یا قصبے کے لوگوں کے لیے قربانی کرنا جائز ہو جاتا ہے۔اگر کوئی دیہاتی نمازِ عید کے لیے شہر آتا ہے تو اس کی قربانی دیہات میں صبح صادق کے بعد شہر کی نماز سے پہلے بھی جائز ہے۔اگر برعکس ہو تو جائز نہیں ہے کیوں کہ قربانی میں اعتبار جانور کے مقام کا ہے۔اگر کوئی شہری جلدی قربانی کرنا چاہتا ہے تو حیلہ یہ ہے کہ اپنی قربانی کو شہر سے باہر کسی ایسی جگہ بھیج دے،جہاں عید کی نماز شرعاً جائز نہ ہو،لہذا وہاں یوم النحر کے صبح صادق طلوع ہوتے ہی قربانی کرے۔

۱۶۔اگر قربانی مالدار ہونے کی وجہ سے واجب تھی اور قربانی کے دن گذر گئے اور قربانی نہیں کی تو اس پر بکری کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے خواہ بکری خریدی ہو یا نہ یعنی جانور کو متعین کیا ہو یا متعین نہ کیا ہو۔

۱۷۔قربانی کا وقت شروع ہونے سے قربانی واجب ہوتی ہے۔مالدار مقیم شخص پر قربانی واجب ہونے کے بعد اگر اس کا متعین کردہ وکیل اپنے مقام پر قربانی کا وقت شروع ہونے کے بعد قربانی کرے تو صحیح اور جائز

ہے،اگر مؤکل کے مقام پر قربانی کا وقت شروع نہ ہوا ہو اور وکیل کے مقام پر وقت شروع ہوا ہو تو وکیل کے لیے اپنے مقام پر مؤکل کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں ہے،اگر چہ قربانی کے جانور کے مقام پر قربانی کا وقت شروع ہو چکا ہو۔(بدائع:4/198،الشامی:231)

ذبح کرتے وقت چند باتیں:

۱۔ذبح اپنے ہاتھ سے کرنا افضل ہے،لیکن اگر ذبح نہ جانتا ہو تو کسی اور کو حکم دینا بھی جائز ہے،لیکن مناسب یہ ہے کہ خود وہاں حاضر ہو۔

۲۔ذبح سے پہلے پانی چارہ کھلائے۔قربانی کے جانور کو گھسیٹنا یا اس پر سختی کرنا مکروہ ہے۔

۳۔تین پیر باندھ کر قبلہ رخ بائیں کروٹ پر لٹائے۔

۴۔مرد،عورت،گونگے اور غیر مختون کا ذبیحہ حلال ہے،بشرطیکہ تسمیہ اور ذبح کو جانتا ہو۔

۵۔لٹانے سے پہلے چھری تیز کرے۔جانور کے سامنے تیز کرنا مکروہ ہے۔

۶۔جانور کو ذبح کرتے وقت صرف ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہنا مقرر کیا گیا ہے۔(مظاہر حق بحوالہ تسہیل الحقائق)یا یہ کہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہوں،تب بھی ذبیحہ حلال ہے۔(احسن الفتاویٰ)

۷۔ذبح کرتے وقت اگر ذابح نے عمداً تسمیہ چھوڑ دیا ہو،خواہ مسلمان ہو یا کتابی تو ذبیحہ مردار ہوگا،اگر نسیاناً رہ گیا ہو تو حلال ہوگا۔

۸۔ذبح میں چار رگیں یعنی حلقوم،مری اور ودجان(دو شہ رگ)کاٹنا ضروری ہے،مگر تین کے کٹنے سے بھی ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے۔(الہندیہ)

۹۔گردن کی طرف سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

۱۰۔ٹھنڈا ہونے سے پہلے گردن اور چمڑا الگ کرنا مکروہ ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ)

۱۱۔اگر دو آدمیوں نے غلطی سے ایک دوسرے کی قربانی ذبح کی تو ان کی طرف سے قربانی جائز ہے۔

۱۲۔غصب کیے ہوئے جانور کی قربانی کرنے والا قیمت کا ضامن ہوگا اور قربانی درست ہو جائے گی،کیونکہ وہ غصب کے وقت سے مالک ہو گیا تھا۔

۱۳۔اگر ایک شخص نے اپنی بکری کسی کے پاس ودیعت رکھی،مودَع نے اس بکری کی قربانی کر دی تو

مودَع قیمت کا ضامن ہو کر بھی اس کی قربانی ادا نہ ہوگی، کیونکہ وہ ذبح کرنے کے بعد مالک بن گیا۔(ہدایہ)

۱۴۔قربانی کے لیے خریدی گئی گائے گابن ہے تو اگر بچے (جنین) میں جان نہ پڑ گئی ہو تو کوئی شبہ نہیں، ورنہ بہتر یہ ہے کہ دوسرے جانور سے قربانی کرلے اور اس گابن کو جو چاہے کرے، البتہ اگر دوسرے جانور کی قیمت گابن کی قیمت کے مقابلے میں کم ہو تو بقدر تفاوت قیمت کی خیرات کردے۔(امداد الفتاوی)

۱۵۔کسی جانور کو ذبح کرنے کے بعد اگر اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ نکل آیا اور وقت کی تنگی کی وجہ سے مرجائے تو عندالاحناف وہ بچہ حرام ہوگا اور اگر ذبح کرلیا گیا تو حلال ہوگا۔(قدوری)

۱۶۔گائے یا بھینس کی قربانی میں اگر کئی آدمی شریک ہوں تو گوشت وزن کرکے تقسیم کریں، اندازے سے تقسیم نہ کریں، کیونکہ اگر کسی کے حصے میں زیادہ گوشت چلا گیا تو یہ سود کے حکم میں ہے اور کھانا جائز نہیں، البتہ اگر گوشت کے ساتھ سری پائے یا چمڑا شامل کرلیا جائے تو اندازے سے تقسیم کرنا بھی جائز ہے۔(الدر المختار)

۱۷۔گائے یا بھینس کی قربانی میں ایک گھر کے بھائی شریک ہو جائیں تو تقسیم کی ضرورت نہیں، گوشت تقسیم کریں نہ کریں، کوئی حرج نہیں۔(عزیز الفتاویٰ)

۱۸۔تمام شرکا کا مشترکہ گوشت کو تقسیم کرنے سے پہلے فقرا پر صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔

۱۹۔قربانی کرنے والا گوشت خود کھائے یا اغنیا وفقرا کو کھلائے یا ذخیرہ کرے؛ سب جائز ہے، مگر مستحب یہ ہے کہ دو تہائی حصہ صدقہ کرے۔ چاہے تو کھال صدقہ کرے، کیونکہ یہ قربانی کا جز ہے اور چاہے تو اس سے اپنے لیے کوئی چیز بنائے، جیسے جائے نماز، تھیلا وغیرہ اور کھال کے ساتھ ایسی چیز خریدنا، جس کے عین کے بقا کے ساتھ اس کے عین سے نفع اٹھایا جائے، جائز ہے، البتہ کھال فروخت کرکے اس کی قیمت اپنے اوپر خرچ نہیں کرسکتے، بلکہ قیمت فقرا پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔

۲۰۔اضحیہ کا گوشت، کھال اور اوجھ میں سے کوئی بھی چیز قصاب کو اُجرت میں نہ دے، کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے، لہذا قصاب وغیرہ کو الگ سے مزدوری ادا کریں۔

۲۱۔تھنوں میں اگر دودھ تکلیف دہ ہو تو دودھ کو دوھ کر صدقہ کرے۔

۲۴۔کھال کو بعینہ مسجد کے کام میں لانا یا ڈول وغیرہ بنا کر مسجد میں دینا جائز ہے، کیونکہ یہ صدقہ نافلہ ہے اور بیچ کر قیمت مسجد میں دینا جائز نہیں، کیونکہ صدقہ واجبہ کے لیے تملیکِ فقیر شرط ہے۔

(سلسلۂ احکامِ عید)

عیدالاضحیٰ اور تکبیراتِ تشریق کے بنیادی احکام

مفتی محمد فہیم اللہ

عید کی مشروعیت کی حکمت:

دنیا میں موجود ہر ایک قوم کے لیے ضرور بالضرور کوئی ایسا دن ہوتا ہے، جس میں وہ اپنا کوئی خاص مذہبی تہوار مناتی ہے یا جسے وہ اپنی خوشی کی علامت سمجھ کر مسرت و شادمانی کا اظہار کرتی ہے۔ اسلام سے قبل بھی یہی دستور تھا۔ لوگ ''نیروز اور مہرجان'' کے نام سے مخصوص ایام میں اپنی خوشی کا اظہار کرتے اور کھیل کود سے اپنا جی بہلاتے۔ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ پھر بھی ان مخصوص دنوں میں اپنی خوشی مناتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی اس فطری ضرورت کا احساس کرتے ہوئے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالی نے تمہارے لیے اس سے زیادہ بہتر، دو دن مقرر کیے ہیں، ایک عیدالاضحیٰ کا دن اور دوسرا عیدالفطر کا دن''۔ (سنن ابی داؤد والنسائی)

نماز عید کی چند خاص شرائط:

جمعہ کی نماز کی طرح عیدین کی نمازوں کے لیے بھی چند خاص شرائط ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بھی شرط نہ ہو تو عید کی نماز کی ادائیگی درست نہ رہے گی۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں:

مصر یعنی شہر یا فناء مصر یعنی شہر کے مضافات، امام یا اس کے نائب کی موجودگی، وقت، جماعت اور اذنِ عام یعنی ہر کسی کو بلا تفریق نماز پڑھنے کی عام اجازت۔ (بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ: ۲/۲۳۷)

عید الاضحیٰ کی نماز کا وقت:

نماز عید کا وقت طلوعِ آفتاب کے بعد، آفتاب کے کسی قدر یعنی ایک نیزہ کے بقدر بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے اور زوال آفتاب تک باقی رہتا ہے، تاہم نماز عیدالفطر میں کسی قدر تاخیر مسنون ہے تاکہ صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت مل سکے اور عیدالاضحیٰ کی نماز میں تعجیل بہتر ہے، تاکہ قربانی میں

سہولت ہو۔(الدرالمختار مع ردالمحتار:۳/ ۲۵، ۳۵، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی:۶۳۴)

عیدالاضحیٰ کی نماز میں تاخیر کاحکم:

عیدالاضحیٰ کی نماز کو دوسرے یا تیسرے دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے، تاہم اگر تاخیر عذر کی وجہ سے ہو تو کوئی کراہت نہیں اور اگر بلاعذر ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔تیسرے دن سے زیادہ تاخیر کسی بھی صورت میں جائز نہیں، چاہے عذر ہو یا نہ ہو۔(الدرالمختار مع ردالمحتار:۳/ ۸۵، ۹۵، بدائع الصنائع:۲/ ۲۴۲)

ادائیگی نماز کی جگہ:

اکثر فقہا کے نزدیک نماز عیدین کے لیے آبادی سے باہر کھلے میدان (عیدگاہ) میں جانا بہتر ہے۔ ایسی صورت میں امیر یا امام کو چاہیے کہ وہ شہر کے اندر ضعیفوں اور مریضوں کو نماز پڑھانے کے لیے کوئی اور شخص مقرر کرے، تاکہ یہ لوگ عید کی نماز سے محروم نہ رہیں۔یاد رہے کہ عیدگاہ یا کھلے میدان میں جانا سنت ہے، فرض یا واجب نہیں، لہذا اگر لوگوں کو شہر کے اندر نماز پڑھنے میں آسانی ہو یا کوئی اور عذر ہو، جس کی وجہ سے لوگ شہر سے باہر کھلے میدان میں نہ جاسکیں تو شہر میں نماز عید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، خصوصاً آج کل گرمی اور بدامنی کے دنوں میں زیادہ بہتر یہی ہے کہ لوگ شہر کے اندر ہی نماز پڑھ لیں۔(ردالمحتار، باب العیدین:۳/ ۹۴)

طریقۂ نماز:

عیدین کی نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز سے پہلے دل یا زبان سے یہ نیت کرلے کہ میں اللہ تعالی کے لیے اس عید کی نماز اس خاص امام کے پیچھے پڑھ رہا ہوں، اس کے بعد تکبیر تحریمہ پڑھی جائے گی اور امام ومقتدی ثنا پڑھیں گے، ثنا کے بعد امام اور مقتدی دونوں تین تکبیرات زوائد پڑھیں گے، جن میں سے ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائیں گے، امام ہر دو تکبیرات کے درمیان تین مرتبہ اللہ اکبر کہنے کے بقدر خاموشی اختیار کرے گا۔تکبیرات زوائد کے درمیان میں ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا (ارسال) بہتر ہے۔اس کے بعد امام تعوذ اور تسمیہ خفیہ طور پر پڑھ لے گا، پھر سورۃ فاتحہ پڑھے گا، پھر اس کے ساتھ کوئی سورۃ (مستحب یہ ہے کہ سورۃ اعلیٰ) ملادے، پھر رکوع اور سجدہ وغیرہ کرے گا۔

دوسری رکعت میں امام پھر تسمیہ، فاتحہ اور کوئی سورۃ (مستحب یہ ہے کہ سورۃ غاشیہ) پڑھے گا، قراءت سے فارغ ہونے کے بعد امام اور مقتدی تین تکبیرات زوائد پڑھیں گے، جن میں ہاتھ بھی اٹھائیں گے، اس

کے بعد رکوع کے لیے تکبیر کہی جائے گی، جس میں ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے۔اس کے بعد معمول کے مطابق نماز پوری کی جائے گی۔تکبیرات زوائد کے درمیان میں ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا (ارسال) بہتر ہے۔نماز کے فوراً بعد امام منبر پر بیٹھے بغیر دو خطبے پڑھے گا، جن کی مجموعی کیفیت جمعہ کی سی ہوگی۔(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/ ۳۵۔۵۵، بدائع الصنائع: ۲/ ۳۴۲۔۶۴۲، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی: ۳۴۷)

عیدالاضحیٰ کی سنتیں اور امتیازی احکام:

(۱) عیدگاہ جانے سے قبل غسل کرلے، مسواک کرلے، خوشبو لگائے اور وہ لباس پہن لے جو پاک صاف ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو پسندیدہ ہو اور شرعاً جائز ہو۔

(۲) جلدی تیار ہونے کے بعد عیدگاہ کی طرف پیدل چلنا مسنون ہے۔چلنے میں وقار، سکون اور عاجزی اختیار کرے اور آنکھوں کو جھکا کر چلے۔جس راستے سے عیدگاہ گیا ہو، اسے بدل کر دوسرے راستے سے آنا مسنون ہے۔آپ ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا۔راستے میں تکبیرات کو بلند آواز سے پڑھے۔

(۳) چہرے پر مسکراہٹ، خوشی اور تازگی لائے، ہر کسی سے خندہ روئی سے ملے۔

(۴) عیدالاضحیٰ کے موقع پر سنت یہ ہے کہ نماز پڑھنے تک کوئی چیز نہ کھائی جائے، بلکہ مستحب تو یہ ہے کہ اس دن قربانی کا گوشت کھانے تک انتظار کیا جائے۔یہ حکم ہر شخص کے لیے ہے، چاہے وہ ذاتی طور پر قربانی کرنے والا ہو یا نہ ہو۔

(۵) عیدگاہ پہنچنے کے بعد تکبیرات پڑھنا روک دینا، تاکہ امام کا وعظ و نصیحت اور خطبہ اچھی طرح سنا جاسکے۔

(۶) عیدالاضحیٰ کے خطبے میں قربانی کے احکامات کا تذکرہ کرنا سنت ہے۔

(۷) عیدالاضحیٰ کی نماز میں تعجیل مسنون ہے، تاکہ لوگ قربانی کے لیے جلد فارغ ہوجائیں۔

(۸) عید کے دن چاندی کی انگوٹھی پہننا، ایک دوسرے کو عید مبارک یا کسی دوسری دعا کے ذریعے مبارک باد دینا بھی جائز ہے۔(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/ ۹۵، ۰۶، الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/ ۰۵۱، مراقی الفلاح: ۰۴۴)

تکبیراتِ تشریق، تعارف اور تاریخی جائزہ:

تکبیر تشریق سے مراد وہ الفاظ ہیں جو حضرت جبرائیل علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے مشترکہ طور پر اس وقت ارشاد فرمائے تھے، جس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ

تبارک وتعالی کے حکم سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے راستے میں قربانی کرنے کے لیے زمین پر لٹا کر اس کے گلے پر چھری پھیرنا شروع کر دیا تھا۔اس عظیم قربانی کی یادگار کے طور پر مذکورہ الفاظ یعنی ''اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد'' آج بھی عید الاضحیٰ کے موقع پر پڑھے جاتے ہیں۔

تکبیرات تشریق کا حکم:

حنفیہ کے راجح قول کے مطابق تکبیراتِ تشریق پڑھنا واجب ہے۔جن فقہانے اس کو سنتِ مؤکدہ کہا ہے،ان کا مقصد بھی عملاً وجوب ہی کا ہے۔

تکبیراتِ تشریق کے وجوب کے لیے شرائط:

امام ابو حنیفہؒ کے ہاں تکبیر تشریق ہر اس فرض نماز کے بعد واجب ہوگی جو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے،اور پڑھنے والا مقیم ہو اور شہر میں ہو،تاہم صاحبین کے ہاں تکبیر تشریق ہر فرض نماز کے بعد واجب ہوگی اور ہر اس شخص پر واجب ہوگی،جس پر نماز فرض ہو،چاہے منفرد ہو یا با جماعت نماز پڑھنے والا،مسافر ہو یا مقیم، مرد ہو یا عورت،شہر میں ہو یا دیہات میں۔صاحبین کے قول کے بارے میں علامہ حصکفیؒ کا کہنا ہے:

"وعلیه الاعتمادوالعمل والفتویٰ فی عامة الأمصارو کافة الأعصار"۔

اس قول پر اعتماد اور عمل کیا گیا ہے اور عام شہروں اور تمام زمانوں میں اس پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

لہذا صاحبین کے ہاں ہر فرض نماز کا سلام پھیر لینے کے فوراً بعد کم از کم ایک مرتبہ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا واجب ہے۔اس سے زیادہ پڑھنا بعض فقہاء کرام کے ہاں محض مباح اور بعض کے ہاں مستحب ہے۔

کون سی نمازوں کے بعد تکبیرات پڑھنا واجب ہے؟

پنج وقتہ فرض نمازوں اور جمعہ کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے،چاہے جماعت کے ساتھ پڑھی جائے یا تنہا،لہذا اگر ایام تشریق کی نمازوں کی قضا انہی دنوں میں جماعت کے ساتھ یا بلا جماعت کی جائے تو ان کے بعد بھی تکبیر کہنا واجب ہوگا،تاہم ایام تشریق کی نمازوں کی قضا اگر دوسرے ایام میں ہو یا دوسرے دنوں کی نمازوں کی قضا ایام تشریق میں ہو یا ایک سال کے ایام تشریق کی نمازوں کی قضا آئندہ سال کے ایام تشریق میں ہو تو ان تمام صورتوں میں تکبیرات کہنا واجب نہیں۔

عید کی نماز کے بعد تکبیر کہنا واجب تو نہیں، تاہم تعامل امت کو دیکھ کر فقہاء بلخ نے عید کی نماز کے بعد بھی تکبیراتِ تشریق کو واجب کہا ہے۔نوافل، سنن اور وتر کے بعد تکبیرات تشریق پڑھنا نہ تو واجب ہے اور نہ سنت، محض ذکر کی نیت سے اگر کوئی پڑھنا چاہے تو کوئی حرج نہیں۔

تکبیرات تشریق کے لیے مخصوص ایام:

صاحبین کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق ذی الحج کی نویں تاریخ کی نماز فجر سے ان تکبیرات کا آغاز ہوگا اور تیرہ ذی الحج کی نماز عصر تک یہ تکبیرات پڑھی جائیں گی۔اسی طرح یہ کل تئیس (۲۳) نمازیں ہوں گی۔فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے ہاں یہ تعداد کل آٹھ ہے یعنی نو ذی الحج کی فجر سے لے کر دس ذی الحج کے عصر تک تکبیرات پڑھی جائیں گی۔

تکبیرات تشریق کے چند متفرق احکام:

(۱) تکبیر تشریق سلام پھیر لینے کے فوراً بعد پڑھ لینا واجب ہے۔سلام پھیر لینے کے بعد بولنے، وضو توڑنے یا تلبیہ پڑھنے سے تکبیر ساقط ہو جاتی ہے، لہذا تکبیر کو مسنون دعاؤں اور تلبیہ وغیرہ پر مقدم کرنا واجب ہے۔

(۲) عورت تکبیر پڑھتے وقت آواز کو پست رکھے۔

(۳) اگر امام تکبیر پڑھنا بھول جائے تو مقتدی خود پڑھنا شروع کر دیں۔(الدر المختار مع رد المحتار:۳/۱۶۔۶۶، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، ص:۱۴۴۔۴۴۴)

دل کی دوائیں

حضرت ابراہیم خواصؒ صوفیائے کرام میں بڑے اونچے مرتبے کے بزرگ ہیں، وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دل کی دوائیں پانچ ہیں: ۱۔قرآن کریم کو تدبر کے ساتھ پڑھنا۔۲۔خالی پیٹ رہنا۔۳۔رات کو تہجد پڑھنا۔۴۔سحری کے وقت اللہ کے حضور گڑگڑانا۔۵۔صالحین کی صحبت اختیار کرنا۔

(تراشے: ص:۱۱۴، بحوالہ تحبیب المسلمین بکلام رب العالمین ص:۱۴)

(تحقیقی مقالات ومضامین)

حج کی فضیلت اورارکان وشرائط

مفتی محمد فہیم اللہ

حج کی فرضیت کی حکمت:

اسلام کی جملہ عبادات میں عبودیت وبندگی، تذلل، تزکیہ نفس اوراحسانات کی شکرگزاری کا پہلو موجود ہوتا ہے اور بلاشبہ ان عبادات میں سے ایک حج بھی ہے، جس میں ایک طرف تو مسلمانوں کی بین الاقوامی اجتماعیت، یکسانیت اور وحدت کا ظہور ہوتا ہے تو دوسری طرف شعائر اللہ کی تعظیم اوراس سے عبرت خیزی کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ یہی وہ موقع ہے، جس میں بندہ منیٰ، عرفات اورمزدلفہ کے میدانوں میں کفن پوش ہوکر فقیرانہ مستی اور ذوقِ غلامی وبندگی سے سرشار ہوکر عشقِ خداوندی اور رضاءِ ربانی کے حصول میں ہرطرح کی راحت، زیب وزینت اور سامانِ سکون سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی بے مثال فداکاری اورحبِّ الٰہی کی حرارت انگیز جذبات واحساسات سے اپنے دل ودماغ میں طاعت وفرمان برداری کا درس پختہ کردیتا ہے۔(بدائع الصنائع:۳/۱۴،۶۲، قاموس الفقہ، مادۃ حج:۳/۱۹)

حج کا لغوی اوراصطلاحی معنی:

لغت میں حج ''حاء'' کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ مستعمل ہے، جس کا معنی ہے ''کسی بڑے اور عظیم کام کا ارادہ کرنا''۔ اصطلاحی معنی کے بارے میں علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

”وشرعا زيارة مكان مخصوص في زمن مخصوص بفعل مخصوص، بأن يكون محرما بنية الحج سابقاً“. (الدرالمختار، كتاب الحج: ٣/٧٤٤_٤٥٤)

ترجمہ: اصطلاح شرع میں حج مخصوص مکان یعنی کعبہ اورعرفات کی زیارت کا نام ہے۔ جو مخصوص وقت میں مخصوص افعال کے ساتھ ادا کیا جائے، بایں طور کہ احرام کی حالت میں ہو اور پہلے سے حج کی نیت کی ہو۔

حج کا حکم:

حج ارکانِ اسلام میں پانچواں رکن ہے۔ یہ ہر اُس شخص پر فرض ہے، جس میں وجوب کی جملہ شرائط موجود ہوں؛ لہذا شرائط کی موجودگی میں صرف ایک مرتبہ تمام عمر میں حج ادا کرنا فرض عین ہے۔ (بدائع:۳/۱۴)

تاہم بعض خارجی عوامل کی بنا پر حج کے احکام مختلف ہو سکتے ہیں، مثلاً:

(۱) واجب حج……:

حج تب واجب ہوتا ہے، جب کوئی شخص احرام باندھے بغیر میقات سے گزر جائے تو ایسے شخص کے لیے واجب ہے کہ واپس ہو کر میقات سے احرام باندھے اور تلبیہ پڑھ لے اور احد النسکین یعنی حج یا عمرہ میں سے کسی ایک کو ادا کرے۔ حج یا عمرے میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق اسی کو ہے۔

(۲) نفل حج……:

ایک مرتبہ حج ادا کرنے کے بعد بار بار حج ادا کرنا نفل ہے۔

(۳) حرام حج……:

حرام مال سے کیا ہوا حج حرام اور غیر مقبول ہے، البتہ ادا کرنے والے کا ذمہ پھر بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اگرچہ عدم قبولیت کی وجہ سے ثواب نہیں ملتا۔

(۴) مکروہِ تحریمی……:

فرض حج ادا کرتے وقت خدمت کے محتاج والدین یا دادا، دادی، نانا، نانی سے اجازت نہ لینا مکروہِ تحریمی ہے۔ اسی طرح قرض دار شخص اگر ادائیگی قرض پر قدرت نہ رکھتے ہوئے حج کرے تو یہ بھی مکروہِ تحریمی ہے۔ (الدر المختار، کتاب الحج:۳/۴۵۴۔۴۵۴، غنیۃ الناسک، مقدمہ، ص:۱۰)

حج کی فرضیت کب ہوئی؟

مشہور اور راجح قول کے مطابق ہجرت کے نویں سال کے اواخر میں حج فرض ہوا۔ البتہ نبی کریم ﷺ نے چونکہ حج ہجرت کے دسویں سال ادا فرمایا تھا، اس لیے فقہاء کرام اور محدثین فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی شرعی عذر یا کسی عظیم اسلامی مصلحت کے تحت اُس سال تاخیر فرمائی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ بتا دیا گیا ہو کہ آئندہ سال آپ کو حج کا موقع ملے گا۔ جس میں حج کی تعلیمات سے آپ لوگوں کو

آ گاہ فرما کر اتمام دین کا اعلان بھی کر دینگے۔(الدر المختار، کتاب الحج:۳/۴۵۴)

بعض شراح نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ رسم نسیء کی وجہ سے چونکہ حج کا مہینہ اور حج کے ایام یقینی طور پر اپنی جگہ برقرار نہیں تھے،اس لیے آپ ﷺ نے رسم نسیء کی منسوخی اور ایام حج کی درستگی کا انتظار فرمایا۔

حج کی فرضیت کی دلیل:

حج کی فرضیت قرآن کریم،سنت رسول ﷺ،اجماع امت اور قیاس ہر ایک سے ثابت ہے۔ارشاد خداوندی ہے:﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا﴾ (آل عمران:۹۷)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”من لم يمنعه عن الحج حاجة ظاهرة، أو سلطان جائر، أومرض حابس، فليمت إن شاء يهوديا أو نصرانيا“. (سنن الدارمي،شعب الإيمان للبيهقي)

ترجمہ:جس شخص کو کسی قوی حاجت یا ظالم بادشاہ یا روکنے والے مرض نے حج سے منع نہ کیا ہو اور وہ پھر بھی حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی کی موت مرے یا نصرانی کی موت مرے۔

اسی طرح حج کی فرضیت پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہے اور عقل وقیاس بھی اس کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے،اس لیے کہ خالق ومالک اور محسن حقیقی کی نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس کے حکم کو مانتے ہوئے عاجزی اور غلامی کا اظہار کرنا فرض ہے۔(بدائع الصنائع:۳/۱۴)

حج وعمرے کی فضیلت:

بخاری شریف میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاء إِلَّا الْجَنَّةُ“.

ترجمہ:ایک عمرہ دوسرے عمرے تک تمام گناہوں کا کفارہ ہے اور مقبول حج کا بدلہ تو جنت کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا۔

علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکورہ حج اور عمرے سے ایسا حج وعمرہ مراد ہے،جس میں شریعت کے جملہ احکام اور آداب کی رعایت رکھی گئی ہو۔یہی وجہ ہے کہ حدیث میں حج کے ساتھ لفظ ”مبرور“ کی قید لگائی گئی ہے۔

مبرور اور مقبول حج:

مبرور اور مقبول حج کسے کہتے ہیں،اس سے متعلق صحابہ کرام اور تابعین کرام کے بہت سے اقوال ہیں۔سب کا خلاصہ یہی ہے کہ گناہوں اور بے ادبی سے پاک حج ''مبرور و مقبول'' کہلاتا ہے۔صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ. (بخاري)

ترجمہ: جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور جنسی گناہوں اور دیگر گناہوں سے خود کو بچایا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک لوٹے گا، جیسے آج ہی اُس کی ماں نے اُسے جنم دیا ہو۔

حج سے پہلے عالمِ دین سے مسائل سیکھنا:

خالص اللہ تعالیٰ کے لیے حج کرنا اور خود کو گناہوں سے بچانا تب ممکن ہے، جب ہم سفرِ حج سے پہلے کسی عالمِ دین کے پاس بیٹھ کر مناسک یعنی حج کے اعمال و مسائل سیکھ لیں۔اسی طرح عمرے کو حدیث میں چھوٹا حج کہا گیا ہے، لہذا عمرے یا حج کے لیے جانے سے پہلے اگر ہم دو تین گھنٹے کسی مستند عالم کے پاس گزار لیں تو اس میں ہماری کامیابی ہے۔پہلے زمانے کے لوگ تجارتی سفر پہ جاتے تو بھی اپنے ساتھ کوئی فقیہ عالمِ دین لے جاتے اور اس کا خرچہ بھی برداشت کرتے تھے، تاکہ سود اور دیگر حرام معاملات سے بچے رہیں۔

جب کوئی بندہ سفرِ حج کے لیے نو دس لاکھ اور عمرے کے لیے دو ڈھائی لاکھ روپے خرچ کرنے کو سعادت سمجھتا ہے تو ایک آدھ دن کسی عالم کے پاس گزارنے سے کیوں ڈرتا ہے۔دنیا سے متعلق کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے ہم اُسے سیکھتے ہیں اور کسی ماہر اُستاد کی شاگردی کرتے ہیں، لیکن دینی اُمور میں ہم خود عالم اور مفتی بن جاتے ہیں۔لہذا کم از کم دو تین دن تھوڑا وقت کسی عالم کے پاس گزارنا چاہیے۔

ریا کاری، سیر و سیاحت اور تجارت کی نیت نہ کرے:

اگر آداب و مسائل کی رعایت نہ ہو تو حج و عمرہ سیر و سیاحت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔آپ کعبۃ اللہ کے سامنے ایسے کئی لوگوں کو دیکھیں گے جو تصاویر کھینچتے ہیں، موبائیل فون پر گیم کھیل رہے ہوتے ہیں یا فیس بک وغیرہ پر اپنا ٹائم ضائع کرتے ہیں۔کنز العمال اور مسند دیلمی میں حضرت انسؓ سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے:

يأتى على الناس زمان يحج أغنياء الناس للنزاهة وأوساطهم للتجارة وفقراؤهم للمسألة وقراؤهم للسمعة والرياء . (كنزالعمال، رقم: ١٢٣٢١)

ترجمہ: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کے مالدار لوگ سیر وسیاحت کے لیے، متوسط لوگ تجارت کے لیے، غریب لوگ سوال کرنے کے لیے اور قراء حضرات شہرت اور ریاکاری کے لیے حج کیا کریں گے۔

حج کی فرضیت علی الفور ہے یا تاخیر کی بھی گنجائش ہے؟

حج کی استطاعت پیدا ہونے کے بعد امام ابوالحسن کرخیؒ نے حج کے علی الفور واجب ہونے کو ترجیح دی ہے۔ یہی رائے امام ابو یوسفؒ کی بھی ہے اور صحیح تر روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کی بھی ہے۔ اکثر فقہا نے اس قول کو مختار کہا ہے، لہذا بلاضرورت تاخیر پر گنہگار ہوگا۔

البتہ سب ائمہ کرام کے ہاں اگر کوئی شخص تاخیر کے ساتھ حج ادا کرلے تو اِسے قضا نہیں کہا جائے گا، بلکہ اَدا ہی ہوگا۔ یہ قول امام مالکؒ و امام احمدؒ کا بھی ہے، جبکہ امام محمدؒ و امام شافعیؒ کے ہاں حج کی فرضیت علی التراخی ہے، یعنی تاخیر کی بھی گنجائش ہے۔

فقہاء کرام کا مذکورہ اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے جو صحت مند ہو اور آئندہ سال تک اس کے زندہ رہنے کی امید ہو۔ اگر کسی شخص کے بارے میں بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے آئندہ سال تک زندہ رہنے کی اُمید نہ ہو تو ایسے شخص کے حق میں تاخیر بالاتفاق گناہ کا باعث ہے، البتہ موت سے قبل حج ادا کرنے کی صورت میں یہ گناہ ختم ہوجائے گا۔ (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۶۱۲، الدرالمختار: ۳/۳۵۴، البحر الرائق: ۲/ ۲۴۵، ۳۴۵)

اوقاتِ حج:

حنفیہ کے ہاں شوال اور ذی قعد کا پورا مہینہ اور ذی الحج کا پہلا عشرہ حج کے اوقات ہیں، یعنی ان مہینوں میں حج کا اِحرام باندھا جاسکتا ہے، لہذا اِن اوقات کے علاوہ اوقات میں حج کے اعمال، مثلاً طواف اور سعی وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ (حوالہ جات بالا)

ارکانِ حج:

فقہاء حنفیہ میں سے اکثر کے ہاں حج کے دو ارکان ہیں:

(۱)وقوفِ عرفہ

(۲)طوافِ زیارت

(۳)بعض فقہاءِ کرام ''احرام'' کو بھی ارکان میں شمار کرتے ہیں۔

البتہ اکثر فقہاءِ کرام اِحرام کو صحتِ ادا کے لیے شرط قرار دیتے ہیں۔مطلب ومقصد دونوں کا ایک ہے۔(الدرالمختار، کتاب الحج:۳/۸۶۴،۹۶۴،تاتارخانیہ حوالہ بالا)

سببِ حج:

حج کا سبب بیت اللہ شریف اوراس کی موجودگی کا علم ہونا ہے۔(غنیۃ الناسک،تتمہ ص:۲۱)

شرائطِ حج:

(۱)شرائط الوجوب یعنی فرض ہونے کے لیے شرائط:

حج کی فرضیت کے لیے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے،اگر ان میں سے ایک بھی شرط نہ ہوتو حج فرض نہیں ہوگا۔(۱)اسلام......:یعنی حج کی استطاعت پائے جانے کے وقت مسلمان ہو۔

(۲)عقل......:پاگل اورمغلوب العقل(معتوہ)شخص پر حج فرض نہیں۔

(۳،۴)بلوغ......:بچپن میں کیا ہوا حج نفل شمار ہوگا،بالغ ہونے کے بعد اگر صاحبِ استطاعت ہوگیا تو دوبارہ ادائیگی لازم ہے۔اسی طرح آزاد ہونا بھی شرط ہے،زرِخرید غلام پر حج فرض نہیں۔آج کل چونکہ غلامی کا وجود ختم ہوچکا ہےاورسب لوگ آزاد ہیں،اس لیے یہ شرط صرف رسمی حد تک ہے۔

(۵)استطاعت......:استطاعت سے مراد مالی اعتبار سے حج ادا کرنے پر قدرت ہے۔

حج کی استطاعت کیا ہے؟

استطاعت میں تین چیزیں داخل ہیں:

(الف)سواری مہیا ہو،چاہے اپنی سواری ہو یا کرائے پر حاصل کرلے۔موجودہ دَور میں اِس سے مراد ویزے اور ٹکٹ وغیرہ کے پیسے ہیں۔

(ب):توشہ سفر مہیا ہو۔

(ج)سفرحج کی ابتدا سے لے کر واپسی تک ان لوگوں کے اخراجات ادا کرسکتا ہو،جن کا نان نفقہ اس کے ذمے

واجب ہو۔

مذکورہ اشیا (سواری، توشہ، اہل وعیال کے خرچے) پر قدرت اس وقت معتبر ہوگی، جب اپنے اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کی ادائیگی کے بعد اپنی ذاتی ملکیت سے ان اشیا پر قادر ہو۔

قرض کی حیثیت:

یہ بھی ضروری ہے کہ مذکورہ شخص کسی کا اتنا مقروض نہ ہو، جس کی ادائیگی سے مذکورہ تینوں اشیا میں سے کسی ایک پر اثر پڑ جائے۔

اشیاءِ ضروریہ کے علاوہ چیزوں سے استطاعت:

رہائشی مکان اور ضروری اشیا کے علاوہ زائد مکانات، دوکانوں اور اشیا کی فروختگی سے اگر استطاعت حاصل ہوسکتی ہو تو ان کو فروخت کر کے حج ادا کرنا فرض ہوگا۔

استطاعت کے بغیر کسی طرح سے حج ادا کرلے تو کافی ہے:

اگر غریب شخص استطاعت نہ ہونے کے باوجود کسی طور سے حج کرلے تو اس کا فریضہ حج ہمیشہ کے لیے ادا ہوگیا۔ صاحب استطاعت ہونے کے بعد دوبارہ حج فرض نہیں۔

(۶) حج کی فرضیت کا علم......:

اگر کوئی شخص کسی اسلامی مملکت میں نہ ہو، بلکہ کسی ایسے علاقے میں ہو، جہاں اسلام کی تعلیمات نہ پہنچی ہوں تو وہاں حج فرض ہونے کے لیے حج کی فرضیت کا علم ہونا بھی شرط ہے۔ کسی اسلامی ملک کے شہری کے لیے یہ شرط نہیں، اس لیے کہ اسلامی ملک میں احکام جاننا فرض ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے فلاں فرض عمل کے بارے میں علم نہیں تھا۔ اسی طرح حقوق العباد میں بھی یہ عذر نہیں بن سکتا۔

(۷) وقت......:

حج کے مخصوص اوقات کا اتنا حصہ مل جائے، جس میں مناسک حج ادا ہوسکیں، لہذا اشہر حج (شوال، ذی قعد اور ذی الحج کے دس دنوں) سے پہلے کسی شخص کا صاحبِ استطاعت اور مال دار ہونا کافی نہیں، بلکہ مذکورہ شرائط یا تو اشہر حج میں موجود ہوں یا اس وقت موجود ہوں، جب اس علاقے کے لوگ حج کے لیے سفر کرنا شروع کردیں۔ موجودہ دَور میں حج کے لیے داخلہ کرنے کا وقت اسی شرط کے تحت داخل کیا جاسکتا

ہے۔ اگرچہ یہ وقت اشہر حج سے کافی پہلے ہوسکتا ہے۔(الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۲۱۲۔۲۱۹،البحرالرائق: ۲/۸۳۵،۹۳۵،غنیۃ الناسک،ص:۲۱۔۲۲)

(2) وجوبِ ادا کے لیے شرائط:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں، جن کی وجہ سے آدمی پر بذاتِ خود حج ادا کرنا فرض ہوجاتا ہے۔اگر ان میں سے ایک بھی شرط فوت ہوجائے اور پہلی قسم کی شرائط تمام تر موجود ہوں تو اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص کو حج کے لیے بھیجنا یا موت کے وقت اس کی وصیت کرنا واجب ہوتا ہے۔

یہ شرائط پانچ ہیں:

(۱)صحت یعنی بدن کی سلامتی......:

مفلوج،معذور،اپاہج،ضعیف اور مریض شخص پر امام ابوحنیفہؒ کے ہاں حج فرض نہیں۔مالی استطاعت کے باوجود اس پر حج بدل کرانا بھی واجب نہیں۔تاہم صاحبین کے ہاں اس پر حج بدل کرانا واجب ہے۔اور اگر حج بدل کے بعد صحت مند ہوگیا اور مالی استطاعت پائی گئی تو خود حج ادا کرنا فرض ہوگا۔اکثر مشائخِ احناف نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

(۲)راستے کا محفوظ ہونا......:

یعنی راستہ ایسا محفوظ ہو،جس سے عام طور پر لوگ صحیح سالم پہنچ جاتے ہوں۔

(۳)حبس،قید یا کسی ظالم جابر بادشاہ کا خوف نہ ہو یعنی حسی موانع موجود نہ ہوں۔

(۴)عورت عدت کی حالت میں نہ ہو،چاہے عدت طلاق ہو یا عدت وفات ہو۔

(۵)عورت کے ساتھ محرم رشتہ دار موجود ہو۔محرم سے مراد وہ شخص ہے،جس کے ساتھ دائمی طور پر نکاح کرنا حرام ہو۔پھر یہ محرم عام ہے، چاہے نسب کی وجہ سے ہو یا رضاعت و مصاہرت کی وجہ سے ہو۔محرم کا نفقہ اور راحلہ یعنی سواری کا خرچہ بھی عورت کے ذمے ہوگا۔(الفتاویٰ الہندیۃ:۱/۲۱۲۔۲۱۹،البحرالرائق:۲/۹۳۵،غنیۃ الناسک،ص:۲۱۔۲۲)

واجباتِ حج:

واجباتِ حج پانچ ہیں:

(۱)صفاومروہ کے درمیان سعی کرنا

(۲)وقوفِ مزدلفہ

(۳)رمیُ جمار یعنی شیطانوں کوکنکریاں مارنا

(۴)بال منڈوانایاترشوانا

(۵)آفاقی (مکہ مکرمہ اور میقات سے باہر والے شخص) کے لیے طوافِ صدر

اس کے علاوہ حج تمتع اور قر ان میں قربانی کرنا بھی واجب ہے۔

فقہاء کرام کے ہاں واجب کا حکم یہ ہے کہ بلا عذر اس کے ترک کرنے پر دم واجب ہوتا ہے۔ جہاں تک حج کے جواز کی بات ہے تو اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا، چاہے ان واجبات کو قصداً چھوڑ دیا گیا ہو یا خطأً وسہواً، البتہ قصداً چھوڑنے والا گنہگار ہوگا۔(الفتاویٰ الہندیۃ :۱/۲۱۹،غنیۃ الناسک:۴۵،۴۶،البحر الرائق:۲/۵۳۹)

سننِ حج:

حج کی چند مشہور سنتیں یہ ہیں:

(۱)احرام کے لیے غسل کرنا

(۲)اشہر حرم میں احرام باندھنا

(۳)طواف قدوم یا طوافِ زیارت کسی ایک میں رمل کرنا

(۴)سعی میں میلین اخضرین کے درمیان تیز چلنا

(۵)ایام نحر(۱۰،۱۱،۱۲ذی الحج) کورات کے وقت منیٰ جانا اور وہاں رات گزارنا

(۶)عرفہ کے دن سورج نکلنے کے بعد منیٰ سے عرفات جانا

(۷)دس ذی الحج کی صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کے لیے نکلنا

(۸)عرفہ کے دن غسل کرنا

(۹)عرفات میں مقام ابطح پر اترنا

(۱۰)مزدلفہ میں رات گزارنا

(۱۱)تینوں جمرات میں ترتیب کی رعایت کرنا

اس کے علاوہ بھی حج میں کافی سارے سنن موجود ہیں۔سنن حج کا حکم یہ ہے کہ ان کے چھوڑنے پر کوئی دم وغیرہ واجب نہیں،البتہ ثواب میں کمی ضرور آتی ہے۔(ہندیۃ:۱/۹۱۲،غنیۃ الناسک:۴۷)

آدابِ حج:

(۱)حج کا ارادہ ہو تو حقوق الناس سے فراغت اور براءت کا خاص اہتمام کیا جائے۔

(۲)قرض ادا کیے جائیں۔

(۳)عبادت میں جو کوتاہی ہوئی ہو،اس کی بھی قضا کی جائے۔

(۴)توبہ وندامت اور عاجزی کی کیفیت ہو۔

(۵)ریا،نمائش اور فخر کے جذبات سے دل ودماغ کو فارغ کرے۔

(۶)آغاز سفر میں ایسا اہتمام کہ لوگ متوجہ ہوں،نہ کرے۔واپسی پر بھی میلہ اور چراغاں نہ کرے۔

(۷)حلال آمدنی کو سفر حج میں خرچ کرے۔اگر مال مشتبہ ہو تو قرض حاصل کرکے حج کرلے اور اس مال سے قرض ادا کرے۔

(۸)سفر کے لیے صالح اور نیک ساتھی کا انتخاب کرلے۔ہو سکے تو کسی عالم کی معیت میں حج کرلے۔

(۹)ذکر واستغفار کثرت سے کرتا رہے۔

(۱۰)دورانِ سفر صبر واستقلال اور عفوودرگزر کا معاملہ کرتا رہے۔

(۱۱)کسی کے ساتھ اُلجھنے،بدزبانی اور جنگ وجدال سے پرہیز کرے۔

(الفتاویٰ الہندیۃ:۱/۹۱۲،البحر الرائق:۲/۴۵۰،غنیۃ الناسک:۴۲،۵۲)

ممنوعاتِ حج:

حج میں جو چیزیں ممنوع ہیں،وہ دو طرح کی ہیں:

(۱)ایک وہ جو حج کرنے والے کی ذات سے متعلق ہیں۔اِس قسم کی ممنوعات چھ ہیں۔ان ممنوعات کے ارتکاب کو جنایاتِ حج کہتے ہیں۔ان کا حکم جاننے کے لیے جنایات کا باب پڑھ لینا چاہیے۔عوام الناس ان ممنوعات کے بارے میں علماءِ کرام سے ضرور پوچھ لیا کریں۔یہ ممنوعات اجمالا یہ ہیں:

(۱)جماع کرنا　　　(۲)سر منڈوانا یا بال کاٹنا

(۳)ناخن تراشنا　　　　(۴)خوشبو لگانا

(۵)سر اور چہرے کو چھپانا　　　(۶)سلے ہوئے کپڑے استعمال کرنا

دوسری قسم ممنوع چیزیں وہ ہیں، جن کا براہِ راست حج کرنے والے کے جسم سے تعلق نہ ہو، بلکہ احرام یا حرم شریف کی عزت وتقدس ان سے وابستہ ہو۔ یہ ممنوعات درج ذیل ہیں:

(۱)احرام یا حرم میں شکار کرنا یا شکار سے چھیڑ چھاڑ کرنا

(۲)حرم کے درخت یا گاس کاٹنا

(۳کسی اور کا سر منڈوانا　(الہندیۃ:۱/۲۲۰،البحر الرائق، کتاب الحج:۲/۵۴۰)

مکروھاتِ حج:

(۱)والدین یا دادا دادی اور نانا نانی خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر حج کا سفر کرنا

(۲)مقروض شخص کا قرض خواہوں یا کفیل(ذمہ دار شخص) کی اجازت کے بغیر حج پر جانا

(۳)دورانِ حج ہر وہ فعل چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، جن کا شمار واجبات میں ہوتا ہے اور ہر وہ فعل مکروہ تنزیہی ہے جو سنن میں شمار ہوتا ہے۔(ہندیۃ، والبحر حوالہ بالا، غنیۃ الناسک:ص۸۴)

اقسامِ حج:

ادائیگی اور احکام کے اعتبار سے حج کی تین قسمیں ہیں: اِفراد، تمتع، اور قِران

(۱)افراد سے مراد یہ ہے کہ صرف حج کے لیے احرام باندھا جائے اور احرام باندھتے وقت اور تلبیہ پڑھتے وقت صرف اور صرف حج کی نیت ہو اور پھر اس احرام سے صرف حج ادا کرے۔

(۲)قِران سے مراد یہ ہے کہ حج اور عمرہ کو ایک ہی احرام میں جمع کر دیا جائے، احرام باندھتے وقت اور تلبیہ پڑھتے وقت ہی دونوں کی نیت ہو۔ حج قران میں بالاتفاق دمِ شکر واجب ہے کہ اللہ تعالی نے ایک ہی سفر میں حج اور عمرے کی سعادت نصیب فرمائی۔ مذکورہ قربانی میں سے حاجی خود بھی کھا سکتا ہے اور فقرا و اغنیا سب کو کھلا سکتا ہے۔

حج قران میں حنفیہ کے ہاں عمرے اور حج ہر ایک کے لیے الگ طواف اور سعی ہے، البتہ عمرے کا طواف اور سعی کرنے کے بعد حلق نہیں کرے گا، بلکہ یوم النحر تک مؤخر کرے گا یعنی حج کے مناسک مکمل کرنے

کے بعد حلق کرے گا۔(التاتارخانیہ:۲/۳۹۳،۴۹۳، فتح القدیر:۲/۸۰۴)

(۳) تمتع: تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھا گیا اور عمرہ ادا کرنے کے بعد گھر لوٹے بغیر اسی سفر میں دوسرے احرام کے ساتھ حج بھی ادا کرلیا گیا یعنی اشہرِ حج میں ایک احرام کے ساتھ عمرہ کے افعال ادا کیے، پھر حلال ہوا (احرام سے نکل گیا) اور حج کا انتظار کرنے لگا، پھر ایام حج میں دوسرے احرام کے ساتھ حج بھی ادا کرلیا۔ حج تمتع میں بھی شکرانے کی قربانی واجب ہے۔(التاتارخانیہ:۲/۵۹۳۔۹۳۷، فتح القدیر حوالہ بالا)

حج کی یہ تینوں صورتیں بلا کراہت درست ہیں۔ خود آپ ﷺ کے ساتھ حج کرنے والے صحابہ کرامؓ نے تینوں طریقوں سے حج فرمایا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں، تاہم دلائل کی قوت اور فقہی استدلالات کی بنا پر حنفیہ کے ہاں قِران افضل ہے پھر تمتع اور پھر افراد کا درجہ ہے۔(الھدایۃ مع فتح القدیر:۲/۹۰۴۔۴۱۴)

حج کی مجموعی کیفیت:

سمجھنے میں آسانی کی خاطر ان مناسک کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(ا) ایام حج شروع ہونے سے پہلے کے اعمال:

سب سے پہلے غسل کرکے احرام کی تیاری کرلے گا اور دو رکعت نماز پڑھ کر آسانی اور قبولیت کی دعا کرے گا۔ اس کے بعد یا تو گھر ہی سے احرام باندھ لے یا میقات کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے پہلے احرام باندھ لے۔ پھر مستحب یہ ہے کہ دن کے وقت مکہ میں داخل ہوکر بیت اللہ شریف کا رُخ کرے اور تلبیہ پڑھتے ہوئے عاجزی اور خشوع وخضوع کے ساتھ باب بنی شیبہ سے مسجد حرام میں داخل ہو۔ کعبہ پر نظر پڑھتے ہی کوئی (مسنون یا غیر مسنون) دُعا پڑھے۔ پھر حجر اسود کا استیلام کرکے دعا پڑھ لے اور وہاں سے شروع کرکے بیت اللہ کے اردگرد سات مرتبہ طواف کرے۔ حج افراد کا اِحرام باندھنے والے شخص کے لیے یہ طواف طوافِ قدوم کہلائے گا، جبکہ متمتع اور قارن دونوں کے حق میں حنفیہ کے ہاں یہ طواف صرف اور صرف عمرے کا ہوگا، طوافِ قدوم کے لیے عمرہ کرنے کے بعد الگ طواف کرنا ہوگا۔

متمتع کے لیے ضروری ہے کہ وہ طواف شروع کرتے ہوئے تلبیہ پڑھنا بند کردے، جبکہ قارن اور مفرد بدستور تلبیہ پڑھتے رہیں۔ طواف کے دوران حجر اسود سے گزرتے ہوئے ہر دفعہ استیلام کرتا رہے۔ طواف کے بعد اگر ممکن ہو تو مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھ لے، ورنہ مسجد حرام میں کہیں بھی پڑھ لے۔ دو رکعت

پڑھنے کے بعد ایک مرتبہ پھر حجر اسود کا استیلام کرلے، پھر اگر ممکن ہو تو آبِ زم زم خوب پی لے، چہرے اور سر پر بھی کچھ قطرے ڈالے۔ پھر صفا جاکر وہاں پر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے۔ مفرد کے لیے یہ ایک ہی سعی کافی ہے، جبکہ متمتع اور قارن کے حق میں حنفیہ کے ہاں یہ سعی صرف عمرے کے لیے ہے، حج کے لیے الگ سعی کرنی ہوگی۔ اس کے بعد اگر متمتع ہو تو وہ بال منڈوا کر خود کو حلال کرسکتا ہے، جبکہ قارن اور مفرد بدستور اعمالِ حج کی انجام دہی تک اسی احرام میں رہیں گے۔ (الہندیۃ: ۱/۲۲۲۔۲۲۲، مراقی الفلاح مع الطحطاوی، ص: ۲۰۶، ۳۰۶، بدائع الصنائع: ۳/۱۰۷)

ایامِ حج شروع ہونے کے بعد کے اعمال:

حج کے مناسک ۸ ذی الحج سے شروع ہوتے ہیں، جن کی ترتیب کچھ یوں ہے:

(۱) یوم الترویہ (۸ ذی الحج) کے اعمال:

حاجی ۸ ذی الحج کو سورج نکلنے کے بعد مکہ سے نکلے اور نماز ظہر تک منیٰ پہنچ جائے۔ مفرد اور قارن تو بدستور احرام ہی میں ہوں گے، البتہ متمتع دوبارہ احرام باندھ لے۔ مسنون یہ ہے کہ حاجی ۸ ذی الحج کی نماز ظہر منیٰ ہی میں ادا کرے اور ۹ ذی الحج کی نماز فجر تک پانچ نمازیں بھی یہاں پڑھ لے۔ اسی طرح یہ رات منیٰ میں گزارنا بھی سنت ہے۔

(۲) یوم عرفہ (۹ ذی الحج) کے اعمال:

وقوف عرفہ جیسے اہم رکن کی ادائیگی کی وجہ سے یہ سب سے اہم دن ہے۔ ۹ ذی الحج کی نماز فجر طلوعِ فجر کے فوراً بعد منیٰ میں پڑھ لے اور مسجد خیف کے قریب آجائے، سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لیے روانہ ہوجائے اور وہاں ٹھہرا رہے۔ زوال آفتاب کے بعد مسجد نمرہ آجائے اور امیر حج کے ساتھ ظہر و عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھ لے۔ اس موقع پر امیر دو خطبے بھی دے گا۔ ظہر کے بعد میدانِ عرفات میں وقوف کرے گا۔ وقوف میں سوار ہونا یا کھڑے ہونا بیٹھنے سے افضل ہے۔ غروبِ آفتاب تک میدانِ عرفات میں رہنے کے بعد مزدلفہ کی سمت روانہ ہو۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب و عشا کی نمازیں عشا کے وقت امیر کے ساتھ پڑھ لے۔ پوری رات مزدلفہ میں گزارنا سنت ہے۔ طلوع فجر کے فوراً بعد اندھیرے میں امام فجر کی نماز پڑھا لے اور روشنی پھیلنے کا انتظار کرے۔ مزدلفہ میں یہ وقوف حنفیہ کے ہاں واجب ہے۔

(۳) یوم النحر (۱۰ ذی الحج) کے اعمال:

اعمال کی کثرت کے اعتبار سے یہ سب سے زیادہ اہم دن ہے۔ مزدلفہ میں فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد طلوعِ شمس سے تھوڑا سا پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہوجائے۔ منیٰ پہنچنے کے بعد جمرہ عقبہ یا جمرہ کبریٰ کی رمی کرے۔ اس کے بعد قربانی کر لے۔ قربانی کر لینے کے بعد بال منڈوائے یا کٹوائے۔ احرام کی ساری ممنوعات اب اس کے لیے (ماسوائے عورت کے) حلال ہوجائیں گی۔ قربانی کر لینے کے بعد پھر مکہ جانا چاہیے۔ مکہ آنے کے بعد طوافِ زیارت کرلے۔ طواف زیارت کے بعد عورت بھی حلال ہوجاتی ہے۔ رات کو پھر مکہ سے منیٰ آ کر رات گزار لے۔

(۴) گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحج کے اعمال:

۱۱ ذی الحج کو زوال کے بعد بالترتیب جمرہ اولیٰ، ثانیہ اور جمرہ عقبہ کی رمی کرے۔ رات پھر منیٰ میں بسر کرے اور ۱۲ ذی الحج کو پھر زوال کے بعد اس ترتیب سے رمی کرے۔ اب اگر حاجی واپس مکہ آنا چاہے تو اس کا حج مکمل ہوگیا، لہذا غروب شمس سے قبل یا کم از کم ۱۳ ذی الحج کی فجر سے پہلے مکہ آ جائے۔ البتہ اگر ۱۳ ذی الحج کی صبح منیٰ میں ہوگئی تو اب اس دن کی رمی بھی واجب ہوگی۔ اس دن زوال سے قبل بھی رمی کی جا سکتی ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ زوال کے بعد کرلے، اب مکہ آجائے اور وہاں پر رخصتی کا طواف (طوافِ وداع) بھی ادا کرے۔

(ملخص از مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی: ۴۰۶، ۵۰۶، الموسوعۃ، مادۃ حج: ۱۷/ ۶۴۔ ۸۴)

امام ابن عیینہؒ کا امام سفیان ثوریؒ کو خواب میں دیکھنا

ابن عیینہؒ سے مروی ہے کہ میں نے امام ثوریؒ کو خواب میں دیکھا کہ جنت الفردوس میں کھجور کے درخت سے اُڑ کر کسی اور درخت پر جا بیٹھے ہیں، پھر اس سے اُڑ کر کھجور کے درخت پر آ جاتے ہیں اور فرما رہے ہیں: اس جیسی نعمت کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔ آپؒ سے کہا گیا کہ کن اعمال سے فردوس ملی؟ فرمایا: پرہیزگاری اور تقویٰ سے۔ پوچھا گیا: علی بن عاصم کا کیا حال ہے؟ فرمایا: ہم انہیں تارے کی طرح دیکھتے ہیں۔ (امام ابن قیمؒ، کتاب الروح، ص: ۵۴)

﴿تحقیق مقالات ومضامین﴾

مقامِ بخاریؒ

ازمکتوباتِ علامہ شمس الحق افغانیؒ
بواسطہ محمد قاسم افغانی

امام بخاریؒ جن کی مقبولِ عام کتاب صحیح بخاری کا مقام (صحت کے اعتبار سے) قرآن حکیم کے بعد دوسرے درجہ پر ہے، ان کے حالات مختلف کتابوں میں تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ہم یہاں صرف ان امور پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں، جن سے امامِ موصوف کے علمی مقام کی نشان دہی ہو سکے۔

نسب:

امام بخاریؒ کا مختصر نسب نامہ یہ ہے: محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم ابن المغیرہ بن بردزبۃ الجعفی۔

''بردزبہ'' لغتِ اہل بخارا میں بمعنی کاشتکار یا کارندہ ہے۔''بردزبہ'' اپنے آبائی دین مجوسیت پر تھا۔ امام بخاری کا پردادا ''مغیرہ'' حاکمِ بخارا ''یمان جعفی'' کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔اس زمانہ کے دستور کے مطابق جو کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا، اس کے قبیلے کی طرف منسوب ہو جاتا تھا۔امام بخاری کے پردادا مغیرہ بھی ''یمان جعفی'' کے ہاتھ پر اسلام لانے کی وجہ سے جعفی کہلائے اور اسی نسبت سے امام بخاری بھی جعفی کہلانے لگے۔ امام بخاریؒ کے دادا ''ابراہیم'' کے حالات کتبِ رجال وتاریخ میں نہیں ملتے۔البتہ امام بخاریؒ کے والد ماجد ''اسمٰعیل'' بہت بڑے محدث تھے اور روایتِ حدیث میں ثقہ تھے۔امام ابن حبان محدث نے محدثین اور رواۃِ حدیث کے متعلق جو ''کتاب الثقات'' لکھی ہے۔اس میں امام بخاری کے والد ''اسمٰعیل'' کا تذکرہ بھی ہے۔

ولادت، وفات اور عمر:

امام بخاریؒ شبِ جمعہ ۱۳/شوال ۱۹۴ھ بمطابق ۲۱/ جولائی ۸۱۰ء کو بخارا میں پیدا ہوئے اور مورخہ ۳۰/ رمضان المبارک ۲۵۶ھ بمطابق ۳۱/ اگست ۸۷۰ء کو ۶۲ سال کی عمر میں بمقام ''خرتنگ'' جو سمرقند سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے، وفات پائی۔تاریخِ ولادت لفظ ''صدق'' سے، تاریخ وفات لفظ ''نور'' سے اور مدتِ عمر لفظ ''حمید'' سے نکلتی ہے (ابجد کے حساب سے)۔

واقعہ وفاتِ امام بخاری وعظمت مقام بخاری:

امام بخاریؒ جب تحصیل علم سے فراغت حاصل کر کے اپنے وطن بخارا کو واپس ہوئے تو اہل بخارا نے شہر سے پانچ میل آگے پیادہ جا کر ان کا استقبال کیا اور اظہارِ مسرت میں ان پر اشرفیاں نچھاور کیں۔ یہاں آنے کے بعد بڑی مدت تک امامِ موصوف بخارا میں مشغول درسِ حدیث رہے۔ آپ کی عظمت کو دیکھ کر بعض بدباطن حاسدین نے گورنر بخارا ''خالد'' کو اس امر پر برانگیختہ کیا کہ وہ امام بخاری سے استدعا کرے کہ وہ قصرِ شاہی پر آکر بخاری اور تاریخ کبیر کا درس دیا کریں۔ چنانچہ حاکمِ بخارا نے امام بخاری کے آگے یہ استدعا کی۔ امام بخاری نے انکار کرتے ہوئے جواب دیا کہ میں علمِ دین کو ذلیل کرنے کے لیے کسی امیر کے گھر پر نہیں جاسکتا۔ اگر امیر بخارا کو اس کی ضرورت ہے تو وہ خود میرے پاس آئے۔ اس پر امیرِ بخارا نے یہ درخواست پیش کی کہ اچھا میری اولاد کی تعلیم کے لیے ایک خاص وقت مقرر فرمادیں، جس میں ان کے سوا دوسرے طالب علم شریک نہ ہوں، لیکن امام موصوف نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ جس پر امیر بخارا نے ان چغل خور اہل دربار اور تملّق پیشہ اعوانِ حکومت کے مشورہ سے یہ حکم دیا کہ امام موصوف بخارا سے نکل جائیں۔ چنانچہ حسبِ حکم، امام موصوف بخارا سے نکل گئے۔ اہل سمرقند کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے خط لکھا کہ سمرقند تشریف لے آئیں، لیکن جب امام موصوف مقام خرتنگ میں پہنچے تو اطلاع ملی کہ سمرقند والوں میں امام کی نسبت اختلاف پڑ گیا ہے۔ بعض لوگ آنے پر رضامند ہیں اور بعض نہیں۔ یہ سن کر امام بخاریؒ نے وہیں توقف مناسب سمجھا، تا کہ معاملہ طے ہوجائے اور مسلمانوں میں فتنہ برپا نہ ہو، لیکن جب معاملے نے طول کھینچا تو امام موصوف نے تنگ آکر نماز تہجد کے بعد یہ دعا کی کہ یا اللہ! تیری زمین باوجود وسعت کے میرے لیے تنگ ہوگئی ہے۔ اب مجھے فتنہ سے بچا کر اپنی طرف بلائیے۔ دعا قبول ہوئی اور اسی مقام خرتنگ میں علم کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

امام موصوف کی قبر اسی قریہ میں ہے اور مدت دراز تک قبر کی مٹی سے عطر سے بھی بڑھ کر خوشبو آتی رہی۔ اہل بخارا شادی وبیاہ کے موقع پر دلہن کے عطر میں ملانے کے لیے امام بخاریؒ کی قبر کی مٹی لے جایا کرتے تھے، کیونکہ اس کی خوشبو تمام عطروں سے بڑھ کر دل آویز تھی۔

وفات کی شب مشہور محدث عبدالواحد طرابلسی نے حضور ﷺ کو مجمع صحابہؓ کے ساتھ خواب میں دیکھا کہ گویا کسی کے انتظار میں ہیں۔ محدث مذکور کہتے ہیں کہ میں نے سلام کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں عرض

کیا کہ کس کا انتظار ہے؟ فرمایا: ''أنتظر محمد بن اسماعیل البخاری''. میں محمد بن اسماعیل بخاری کے انتظار میں ہوں۔ محدث مذکور کہتے ہیں کہ بعد کو اطلاع آئی کہ اسی شب میں امام بخاری کی وفات ہوئی تھی۔

تعلیم و تربیت:

امام بخاری کو بچپن سے احادیث یاد کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ دس سال کی عمر ہی میں یہ حالت تھی کہ مکتب میں جو حدیث سنتے یاد کر لیتے تھے۔ مکتب سے فراغت پائی تو بخارا کے مشہور محدث ''داخلی'' کی خدمت میں آمدورفت شروع کی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ اثنائے درس ''داخلی'' کی زبان سے نکلا: ''سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم'' امام بخاریؒ فوراً بول اُٹھے کہ ''ابی الزبیر'' ''ابراہیم'' سے روایت نہیں کرتے۔ ''داخلی'' کو تردد ہوا تو امام بخاریؒ نے کہا کہ اصل نسخہ دیکھنا چاہیے۔ تب محدث مذکور اپنے مکان تشریف لے گئے۔ اصل نسخہ دیکھا اور باہر تشریف لاکر فرمانے لگے کہ اس لڑکے کو بلاؤ۔ جب بخاریؒ حاضر ہوئے تو محدث مذکور نے اقرار کیا کہ میں نے اس وقت جو کہا تھا، وہ غلط تھا۔ اب آپ بتلائیں کہ صحیح کس طرح ہے؟ اس پر امام بخاری نے کہا کہ ''سفیان عن الزبیر بن عدی عن ابراھیم'' محدث مذکور حیران ہوئے اور کہا کہ واقعی ایسا ہے۔ پھر قلم لے کر قراءت کے نسخے کی تصحیح کی۔ یہ ان کی عمر کا گیارواں سال تھا۔ جب امام بخاریؒ سولہ سال کے ہوئے تو عبداللہ بن المبارک اور امام وکیع کی تمام کتابیں یاد کیں اور پھر اپنی والدہ اور بھائی احمد کے ساتھ حج کی غرض سے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔ حج سے فارغ ہوکر ان کی والدہ اور بھائی تو وطن واپس ہوگئے اور امام بخاریؒ بلادِ حجاز ہی میں طلبِ حدیث کے لیے رہ گئے۔ جب آپ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو سلسلہ تصنیف وتالیف شروع کیا۔ چنانچہ صحابہ اور تابعین کے احوال واقوال میں تاریخ کبیر حضورﷺ کے روضہ کے پاس مرتب کی، جس کو آپ چاندکی روشنی میں لکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کتاب کے ہر نام کے ساتھ مجھے مفصل واقعہ یاد ہے۔ اگر کتاب کی طوالت اور شاگردوں کے اُکتانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس کو تاریخ میں لکھ دیتا۔

امام بخاریؒ کا حافظہ:

امام بخاریؒ کے ہم درس حاشد بن اسماعیل محدث لکھتے ہیں کہ بخاریؒ ہمارے ساتھ شیوخ حدیث کے پاس جاتے تھے، لیکن چونکہ ان کے پاس لکھنے کا سامان نہ ہوتا تھا، اس لیے وہ سنی ہوئی حدیثیں نہیں لکھتے تھے اور ہم لکھ لیتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ جب آپ لکھتے نہیں تو پھر درس میں آنے کا کیا فائدہ؟ اس بات کو

سولہ دن گزر گئے تو بخاریؒ نے مجھ سے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے بہت تنگ کیا۔آ ؤ!اب میری یاداشت کا اپنے نوشتوں سے مقابلہ کرو۔ان ایام میں ہم پندرہ ہزار احادیث لکھ چکے تھے،لیکن بخاریؒ نے ان سب احادیث کو اپنی یاد سے ایسی صحت کے ساتھ سنایا کہ ہم نے اپنے نوشتوں کی غلطی بھی اس سے درست کر لی۔حاشد کہتے ہیں کہ میں نے تو اسی روز سمجھ لیا کہ آ گے چل کر ان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔

امام بخاریؒ جب بغداد تشریف لے گئے، جو اس وقت محدثین اور حفاظِ حدیث کا مرکز تھا تو محدثینِ بغداد نے بغرضِ امتحان ایک سو احادیث کو ان کے سامنے اس شکل میں پڑھ کر سنایا کہ ایک حدیث کا سلسلہ رواۃ یعنی اس کی سند کو دوسری حدیث سے جوڑ دیا اور دوسری حدیث کی سند کو پہلی سے۔امام بخاریؒ نے ان کو سن کر فرمایا: ''لیس ہکذا''یعنی اس طرح نہیں اور پھر ان سب احادیث کی اصلاح کر کے ہر حدیث کے ساتھ اس کی اصلی سند ملا دی۔اور کمال یہ کہ جو حدیث جس نمبر پر سنائی گئی تھی ،اصلاح بھی اسی نمبر پر کر دی گئی۔ چنانچہ جو حدیث نوے نمبر پر پیش ہوئی تو بخاری نے نوے نمبر پر ہی اس کی اصلاح کی۔

ابن حمدون محدث کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بخاریؒ اور مشہور محدث و امام فن رجال ''محمد بن یحیٰی الذیلی''ایک جنازہ میں جمع ہوئے۔وہ امام بخاری سے مختلف راویوں اور علل حدیث کے متعلق سوال کرنے لگے۔بخاریؒ ان سوالات کا ایسی روانی سے جواب دیتے جاتے تھے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ''قل ھواللہ''یعنی سورۂ اخلاص پڑھ رہے ہیں۔

امام بخاری کے مقام کے متعلق ائمہ حدیث کی شہادت :

امام اسحٰق بن راہو یہ استاذِ بخاری فرمایا کرتے تھے کہ اس نوجوان (یعنی بخاریؒ) کا خیال رکھو۔اگر وہ امام حسن بصری کے زمانہ میں پیدا ہوتا تو بھی مسلمانوں کو اس کے علم کی ضرورت ہوتی۔

امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ اس سرزمین خراسان نے امام بخاریؒ جیسا عالمِ حدیث پیدا نہیں کیا۔

قتیبہ بن سعید محدث کا بیان ہے کہ بخاریؒ کا وجود محدثین میں ایسا ہے، جیسے عمرؓ کا وجود صحابہ کرامؓ میں۔

قسطلانیؒ نے ''فلاس'' محدث سے نقل کیا ہے کہ جو حدیث بخاری کو معلوم نہ ہو، وہ حدیث ہی نہیں، گویا امام بخاریؒ کا علم صحتِ حدیث کا معیار ہے۔

امام مسلمؒ ایک بار امام بخاریؒ کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ اے استاذوں کے استاذ اور محدثین

کے سرداراور حدیث کے نبض شناس! مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کے پاؤں چھوم لوں۔

محدثین بغداد نے امام بخاریؒ کو ایک خط لکھا، جس میں یہ شعر درج تھا:

المسلمون بخير ما بقيت له

وليس بعدك خير حين تفقد

یعنی جب تک آپ زندہ ہیں، مسلمان بخیر ہیں اور آپ دنیا سے اُٹھے تو پھر ان کی خیر نہیں۔

ان مستند حوالہ جات سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ائمہ حدیث کی نگاہ میں امام بخاریؒ کے خداداد حافظہ اور حدیث میں ان کی مہارت کا کیا مقام تھا۔

امام بخاریؒ اور دیگر محدثین کا عشق حدیث :

قرآن کے بعد اسلام کا دوسرا ماخذ سنت وحدیث ہے اور حدیث کے بغیر قرآن پر عمل کرنا دشوار ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہے۔ جس طرح الفاظ قرآن کے سمجھنے میں ہم لغتِ عربی کے محتاج ہیں اور اعرابِ قرآن کے سمجھنے میں علم نحو کے اور یہ احتیاج قرآن کے کامل ہونے میں خلل انداز نہیں۔ اسی طرح کلامِ الٰہی اور قرآن کے فہم مقاصد میں بھی ہم سنت وحدیث کے محتاج ہیں۔ مثلاً قرآن نے صلوۃ، صوم، روزہ، زکوۃ اور حج کے جو احکام دیے ہیں، ان سب کی ادائیگی کا طریقہ، شرائط وارکان، ترتیب ارکان، اوقات، مقدار اور مقدار کی ابتدا وانتہا کا صحیح علم ہم کو سنت وحدیث کے بغیر نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان سب امور کی تشریح منصبِ رسالت سے وابستہ ہے اور وہ صرف حدیث ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔ خود قرآن کا اعلان ہے: ﴿لتبين للناس مانزل اليهم﴾ (النحل: ٤٤) اے پیغمبر ﷺ! ہم نے آپ کو یہ منصب اسی لیے دیا کہ آپ قرآنِ منزل کی تشریح لوگوں کو واضح کریں، ﴿ ويعلمهم الكتاب﴾ (آل عمران: ١٦٤) اور آپ کا منصب یہ ہے کہ آپ قرآن کے خدائی مقاصد کی تعلیم دیں۔

پیغمبرِ اسلام کے منصبِ تشریح کا حق اگر ان سے چھین کر عام انسانی فکر کے سپرد کر دیا جائے تو بقول کسے ''جتنے منہ اتنی ہی باتیں''۔ قرآن کی تشریح کے متعلق سینکڑوں آرا قائم ہوجائیں گی اور اسلام کی وحدت پارہ پارہ ہوکر اسلام کا تشخص اور تعین ہی مشکل ہوجائے گا، جس سے عالمِ اسلام لامحدود انتشار کا شکار ہوکر اسلامی وحدت کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اس لیے تمام عالمِ اسلام کو جس ذاتِ پاک سے عقیدت ہے، اسی ذاتِ گرامی کا یہ

منصب ہے کہ وہ اپنی سنت اور حدیث کے ذریعے قرآنی احکام کی شکلیں متعین فرمائے، تا کہ ان پر سنت وحدیث کی روشنی میں عمل کیا جا سکے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس ذاتِ اقدس پر کتابِ الٰہی کا نزول ہوا، اس سے بڑھ کر اس کتاب کی تشریح کا حق اور کس کو ہوسکتا ہے۔ دینِ اسلام میں حدیث کی اہمیت کے پیشِ نظر بزرگانِ دین کو حفظِ حدیث سے جو عشق رہا، تاریخ ادیان میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حدیث کے لیے بزرگانِ دین نے مال ووطن کو قربان کر کے دور دراز ممالک کا سفر کیا، مصائب برداشت کیے، بے شمار دولت خرچ کر کے اونٹوں کے ذریعے دنیا کی خاک چھانی اور ہزاروں میل پیدل چل کر دور ملکوں میں پہنچے، سردی گرمی کی تکلیفیں اٹھائیں اور مختلف مقامات کے ایک ایک محدث کے پاس پہنچے اور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ایک حدیث کو ان سے سن کر حفظ کیا۔ ایسا بھی اکثر ہوا کہ صرف ایک حدیث کی خاطر ایک ماہ مسافت طے کرنی پڑی اور اسی راہِ عشقِ حدیث میں بدنی تکلیف کے علاوہ بزرگانِ دین نے جو مالی قربانیاں دی ہیں، ان کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ خود امام بخاریؒ کے والد ماجد نہایت مالدار اور رئیس تھے، آپ نے میراثِ پدر کا سارا سرمایہ طلبِ حدیث میں صرف کر ڈالا۔

امام بخاریؒ پر کیا انحصار، دیگر بزرگانِ دین نے بھی طلبِ حدیث کے لیے جو مالی قربانیاں کی ہیں، وہ تاریخِ اسلام میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ چنانچہ ذیل میں ہم ''مشتے نمونہ از خروار'' اس سلسلہ کے چند واقعات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ امام یحییٰ بن معین نے تحصیلِ حدیث کے لیے دس لاکھ پچاس ہزار درہم یا دینار صرف کیے۔ نوبت بایں جا رسید کہ پہننے کے لیے پیر میں جوتا بھی نہ رہا تو بغیر جوتے کے ہی چلتے پھرتے رہے۔ امام ابن المبارک نے چالیس ہزار دراہم صرف کیے۔ محمد بن علی بن عاصم الواسطی نے طلب حدیث میں ایک لاکھ کی رقم صرف کر ڈالی، جو ان کے والد نے ان کو دی تھی۔ علامہ ذہبی نے ڈیڑھ لاکھ درہم طلبِ حدیث پر صرف کیے۔ ابن رستم نے طلب حدیث میں تین لاکھ کی رقم صرف کی۔ ہشام بن عبیداللہ نے سفر حدیث پر سات لاکھ درہم صرف کیے۔ خطیب بغدادی نے تحصیل حدیث پر بیس لاکھ اشرفیاں صرف کیں۔

ان مستند حوالہ جات سے جو قطرہ از دریا ومشتے از خروار ہے، ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے بزرگانِ دین کے قلوب میں عظمتِ حدیث اور ولولۂ عشقِ سنت کے کیسے طوفان موجزن تھے، جس نے حبِ وطن، حبِ مال، حبِ اولاد اور حبِ جان کی قربانی پر ان کو آمادہ کر دیا تھا۔ (جاری ہے......)

﴿تذکرۂ اکابرین﴾

حضرت مولانا محبّ اللہ باباجیؒ

چارسدہ کا ایک درخشندہ ستارہ

مولانا محبّ اللہ باباجی کا شمار ضلع چارسدہ کے موجودہ دَور کے اکابر علماءِ کرام میں ہوتا ہے۔آپ گزشتہ ماہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔آپ علامہ شمس الحق افغانیؒ اور شیخ الحدیث مولانا شہزادہؒ صاحب کے شاگردِخاص رہے۔حضرت مفتی محمودؒ اور غلام غوث ہزارویؒ کی مصاحبت اور ہم نشینی نصیب ہوئی۔حضرت مولانا قاضی فضل الرحمٰنؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ کے ساتھ عملی سیاست میں حصہ لیا۔فخرِ کشمیر حاجی محمد امین باباجیؒ کی قائم کردہ جماعتِ ناجیہ کے بھی فعال رکن رہے۔پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) کی تحریک میں جیل کاٹی۔تصوف اور طریقت میں شیخ کامل آلہ ڈھنڈ باباجی کے خلیفہ مجاز تھے۔مختصر یہ کہ آپ درس وتدریس کے ساتھ کئی تحریکات میں فعال اور ممتاز کارکن رہے۔آپ کے تینوں بیٹے عظیم علمی درسگاہ جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فارغ التحصیل ہیں اور اپنے والدگرامی کی طرح علمی خدمات میں مصروف ہیں۔پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں میں کافی سارے حفاظ اور علماء ہیں۔آپ کی ایک فاضلہ نواسی جامعہ حسن کے مہتمم اور شیخ الحدیث مولانا مفتی حمید اللہ صاحب (چیف ایڈیٹر ندائے حسن) کی زوجہ محترمہ ہیں۔اِدارے کی کوشش ہوگی کہ آپ کے تعارف اور خدمات کے سلسلے میں آئندہ مہینوں میں چند اقساط شائع کی جائیں۔(مدیر ماہنامہ ندائے حسن)

شیخ المعقولات علامہ شمس الحق افغانیؒ اور ضلع چارسدہ کے نامی گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا شہزادہؒ صاحب (شیریں زبان مقرر اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس صاحب کے دادا جی) کے شاگردِخاص اور جمعیت علماء اسلام چارسدہ کے ضلعی رہنما، حضرت مولانا محبّ گل باباجیؒ 18/شوال 1444ھ بمطابق 14/مئی 2023ء بروزِ اتوار داعیٔ اَجل کو لبیک کہہ کر خالقِ حقیقی سے جاملے۔اِنا للہ وانا الیہ راجعون! آپ ضلع چارسدہ کے بزرگ علماءِ کرام اور اکابر میں شمار ہوتے تھے۔

آپؒ 1925ء کو دنیا کے منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئے۔آپؒ کے والدِگرامی ''جناب تازہ گلؒ'' سردریاب کے قریب ایک گاؤں گل آباد میں رہائش پذیر تھے۔کم عمری میں ہی آپ کے والدین فوت ہوچکے تھے۔آپؒ کے ماموں مولانا مقدر شاہؒ نے آپؒ کی پرورش کی، جو تنگی اُستاد کے داماد تھے۔ایک بھائی جناب آفتاب گل صاحب عہدِ شباب میں دورانِ طالب علمی اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔آپؒ نے فنون کی اکثر کتابیں اپنے شفیق استاد حضرت مولانا صاحب شاہ المعروف بہ ''دوآبے اُستاذ'' سے میرہ ترنگزئی میں پڑھیں۔طالب علمی کا کچھ عرصہ دارالعلوم حقانیہ میں بھی گزارا۔حضرت العلامہ شمس الحق افغانیؒ سے تفسیر کی سند حاصل کی، جبکہ موقوف علیہ کی کتب شیخ الحدیث حضرت

مولانا شہزادہؒ سے ترنگزئی میں پڑھیں۔آپؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا شہزادہؒ کے شاگردِ خاص تھے۔

1961ء میں دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ میں دورۂ حدیث پڑھا۔اس وقت زبانی امتحان لیا جاتا تھا۔ حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ نے آپؒ سے امتحان لیا اور سند عطا فرمائی۔فراغت کے بعد ترنگزئی عیدگاہ میں درس وتدریس شروع کی۔عمرزئی منتقل ہونے کے بعد دارالعلوم تعلیم القرآن میں مدرس رہے۔آپؒ کی زندگی کا زیادہ تر حصہ ترجمہ وتفسیر پڑھانے میں صرف ہوا۔فارسی ادب کی کتب اپنے مخصوص انداز میں پڑھاتے تھے اور فارسی ادب کی اکثر کتب آپؒ کو زبانی یاد تھیں۔ 1964ء میں آپؒ نے انٹرنیشنل میڈیکل کالج لاہور سے طب وحکمت کی سند حاصل کی۔کچھ عرصہ طب کے شعبہ سے وابستہ رہے،لیکن پھر طب کے شعبہ کو خیرباد کہہ کر دینی مصروفیات کو ترجیح دی۔ 1967ء کو میرہ ترنگزئی سے عمرزئی منتقل ہوئے اور یہاں معروف علمی وروحانی شخصیت حضرت قاضی فضل منانؒ اور حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالباری جانؒ سے گہری دوستی ہوئی۔

سیاسی میدان میں بہت سرگرم رہے۔حضرت مفتی محمودؒ اور غلام غوث ہزارویؒ جب صاحبزادہ ہاؤس عمرزئی تشریف لاتے تو آپؒ اُن کے ساتھ وسطی اضلاع کے دورے پر جاتے تھے۔حضرت مولانا قاضی فضل الرحمٰنؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ کے ساتھ الیکشن کمپین میں موجود رہتے تھے۔فخر کشمیر حاجی محمد امین باباجیؒ کی قائم کردہ جماعتِ ناجیہ کے بھی فعال رکن رہے۔پاکستان قومی اتحاد(پی این اے) کی تحریک میں جیل کاٹی۔

شریعت اور سیاست کی طرح طریقت میں اپنے شیخ کامل آلہ ڈھنڈ باباجی کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُنہوں نے خلافت سے نوازا۔شیخ کی شفقت تھی کہ جب بھی آپؒ آلہ ڈھنڈ تشریف لے جاتے تو نماز کی امامت آپ سے کراتے۔طبعی اعتبار سے جلال وجمال کے حسین امتزاج سے مزین تھے۔حق پر ہمیشہ قائم رہے اور خلافِ شرع بات پر کسی کو معاف نہیں کرتے تھے۔ بیماری اور ضعف کے باوجود آپ رحمہ اللہ عبادت گزار،تہجد گزار اور قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت کرنے والے تھے۔ملنساری،خوش اخلاقی اور ایثار ومحبت کی وجہ سے عوام وخواص آپ کے گرویدہ تھے۔اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے اور اہل علاقہ،حضرت کے اہل وعیال،شاگردان ومعتقدین کو اس عظیم سانحہ پر صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین!

آپ کے پسماندگان میں تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں،تینوں بیٹے دارالعلوم حقانیہ سے فارغ التحصیل ہیں،جبکہ پوتوں اور نواسوں میں اکثر علما اور حفاظ ہیں۔فللہ الحمد!

ماہنامہ ندائے حسن کی کوشش ہوگی کہ حضرت کے صاحبزادگان کی معاونت شامل حال رہی تو ان شاء اللہ آئندہ چند اقساط میں حضرت کی زندگی اور دینی خدمات سے متعلق قارئین کرام کو ضرور اُن کے سوانح سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے گا۔

﴿بیاناتِ جمعہ﴾

گناہوں کومٹانے اور درجات کو بلند کرنے کے تین اعمال

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم. أما بعد ! فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم. قال الله تعالى: ﴿ يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْاوَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْاوَاتَّقُوااللّٰه لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾(آلِ عمران: ٢٠٠)

عن أبي هريرةؓ أنّ رسول الله ﷺ قال: ألا أدلّكم على ما يمحو الله به الخطايا ويرفع به الدرجات، قالوا: بلى يا رسول الله! قال ﷺ : إسباغ الوضوء على المكاره وكثرة الخطا إلى المساجد وانتظار الصلوٰة بعد الصلوة فذلكم الرباط، فذلكم الرباط ".(مسلم ،رقم: **587**،باب فضل اسباغ الوضوء على المكاره)

أمابعد!

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد جو آیتِ کریمہ اور حدیث مبارک آپ کے سامنے ذکر کی، اللہ تعالیٰ ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کیا میں تم کو نہ بتاؤں وہ باتیں جن سے گناہ مٹ جائیں (یعنی معاف ہو جائیں یا لکھنے والوں کے دفتر سے مٹ جائیں) اور درجے بلند ہوں‘‘ (جنت میں)۔ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! بتلائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ’’پورا کرنا وضو کا سختی اور تکلیف میں اور زیادہ ہونا قدموں کا مسجد تک اور انتظار کرنا دوسری نماز کا ایک نماز کے بعد، یہی رباط ہے، پس یہی رباط ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے گناہوں کو مٹانے اور درجات کو بلند کرنے کے تین اسباب بیان کیے:

(ا)......کامل وضو

(۲)......مسجد کی طرف زیادہ قدم اُٹھانا

(۳)ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا

لیکن ایک بات ذہن میں رکھیں کہ اس حدیث میں جن اعمال پر گناہوں کے مٹنے کی بات ہے تو ان سے مراد ''صغیرہ گناہ'' (یعنی چھوٹے گناہ) ہیں۔تاہم اگراللہ تعالیٰ اعمالِ صالحہ کے ذریعے بڑے گناہ بھی معاف فرمادے تو یہ اس کی مرضی ہے، اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔باقی اصول یہی ہے کہ جہاں اعمال صالحہ پر گناہ کے مٹنے کی بات ہوتی ہے تو اس سے مراد صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔

تفصیل :

(۱) إسباغ الوضوء علی المکارہ :

اس کا مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات انسان بیمار ہوتا ہے یا سردی کا زمانہ ہوتا ہے تو وضو کرنے کو دل نہیں کرتا تو وضو جلدی جلدی کرتا ہے، جس سے کسی عضو کا کوئی حصہ خشک رہ جاتا ہے اور اسی حالت میں وہ نماز بھی پڑھ لیتا ہے، حالانکہ نماز کے لیے کامل وضو شرط ہے اور جب تک شرط نہ پائی جائے، مشروط نہیں پایا جاتا۔جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

"لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور".(ترمذی ،کتاب الطھارۃ)

ترجمہ: کہ نماز بغیر وضو کے قبول نہیں کی جاتی۔

تو اگر آپ صحیح طریقے سے وضو کریں گے، جس میں وضو کے آداب، شرائط، سنن اور مستحبات کی رعایت رکھی گئی ہو تو اس کو ''اسباغ الوضوء'' کہا جاتا ہے۔

استنجاء :

کامل اور سنت کے مطابق وضو کرنا ہو تو اس سے پہلے مرحلے میں استنجا کیا جاتا ہے۔اگر نجاست لگی ہو اور اپنی جگہ سے متجاوز ہو تو استنجا کرنا فرض ہے۔دیکھیں! بعض لوگ جب پیشاب کرتے ہیں تو سخت زمین پر پیشاب کرنے کی وجہ سے اس کی چھینٹیں ان کے بدن پر پڑتی ہیں، حالانکہ اس کے بارے میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"استنزھوا من البول فإن عامة عذاب القبر منه ".(رواہ الدار قطني)

ترجمہ: پیشاب کے چھینٹوں سے بچو، کیونکہ عام طور پر قبر کا عذاب اسی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے:

"عن عبد اللّٰہ بن عباسؓ قال : مرّ النبي ﷺ بقبرين فقال: إنهما ليعذبان وما يعذبان في كبير؛ أما أحدهما فكان لا يستتر من البول وأما الآخر فكان يمشي بالنميمة . (متفق عليه)

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے، تو فرمایا: بیشک ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا (کہ جس سے بچنا مشکل ہو، یعنی وہ اس سے بچ سکتے تھے لیکن پھر بھی نہ بچ سکے) ان میں ایک وہ تھا جو پیشاب سے اپنے آپ کو نہیں بچاتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا اہتمام کر لیا کریں۔

واقعہ :

علامہ عینیؒ نے "البنایہ" میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک صحابی ہیں سعد بن عبادہؓ، سن پانچ ہجری میں غزوۂ خندق کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ یہ وہ صحابی ہیں، جن کی موت کی وجہ سے عرش ہلنے لگا، یہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "**اِرمِ فِداک أبی و أمی**" (اے سعد! تیر چلا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) یہ وہ صحابی ہیں، جن کے جنازے میں ستر ہزار کے قریب فرشتے آئے تھے۔ تو روایات میں آتا ہے کہ جب اُن کو قبر میں رکھا گیا تو قبر اُن پر تنگ ہوگئی اور قریب تھا کہ ان کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتیں۔ وجہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پیشاب کی چھینٹوں سے بچتے نہیں تھے، اس وجہ سے اس پر قبر کی زمین تنگ ہوگئی۔ (حاشیۃ السندی علی سنن النسائی للامام جلال الدین السیوطی)

دیکھیں! ہماری اور آپ کی تعلیم کے لیے اس طرح کے واقعات رونما ہوئے۔ صحابہؓ کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اگر ہم اُن کے نقش قدم پر چلیں گے تو ہمیں بھی جنت ملے گی، البتہ صحابہؓ چونکہ معصوم نہیں تھے، ان سے بھی غلطی اور گناہ سرزد ہوا ہے، لیکن اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ "**رضي الله عنهم ورضوا عنه**"، کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ سب اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔

تو بات یہ عرض کر رہا تھا کہ سب سے پہلا مرحلہ استنجا کا ہے اور جب بھی آپ استنجا کریں تو دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھیں: ایک یہ کہ کھڑے ہو کر پیشاب نہ کریں، اور دوسری بات یہ کہ سخت زمین پر پیشاب نہ کریں۔ کیونکہ پھر بدن اور کپڑوں پر چھینٹیں پڑتی ہیں۔

آپ ﷺ کی زندگی میں ہمیں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

” لما قدم عبدالله بن عباس البصرة فكان يحدث عن أبي موسى فكتب عبدالله إلى أبي موسى يسأله عن أشياء فكتب إليه أبو موسى: كنت مع رسول الله ﷺ ذات يوم فأراد أن يبول فأتى دمثا في أصل جدار فبال ثم قال ﷺ: إذا أراد أحدكم أن يبول فليرتد لبوله موضعا“. (سنن أبی داؤد، كتاب الطهارة)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے قضاءِ حاجت کا اِرادہ کیا تو ایک پرانی دیوار کی جڑ میں نرم مٹی کے پاس آئے اور وہاں پیشاب فرمایا، اس کے بعد فرمانے لگے: جب تم میں سے کوئی پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ پیشاب کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کرلے۔

قضائے حاجت کے بعد اچھی طرح استنجا کرے، لیکن استنجا سے پہلے ”انقاء“ کرلے (یعنی پیشاب کرنے کے بعد جو قطرات باقی ہوں، وہ مکمل طور پر خارج ہو جائیں) انقا کے بعد استنجا کرلے اور پھر وضو کر کے نماز ادا کرے۔ ان شاء اللہ! پھر شیطان آپ کے دل میں وسوسے نہیں ڈالے گا۔ بعض لوگ وساوس کا شکار ہوتے ہیں کہ قطرے نکل گئے ہیں اور وضو ٹوٹ گیا ہے تو اُن کے لیے آپ ﷺ نے یہ طریقہ بتلایا ہے کہ وضو کرنے کے بعد موضعِ استنجا (شلوار) پر چھینٹیں مارے۔

استنجا میں اصل چیز اِنقاء یعنی صفائی کا حصول ہے، چاہے وہ ڈھیلے سے حاصل ہو یا پانی سے، لیکن دونوں کو جمع کرنا کہ پہلے ڈھیلے وغیرہ سے پیشاب کے قطرے خشک کرلے اور پھر پانی سے استنجا کرے تو یہ بہت افضل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ قبا کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِيۡنَ﴾ (التوبة: ۱۰۸)

ترجمہ: اس میں ایسے آدمی ہیں، جو طہارت کو پسند کرتے ہیں اور جو طہارت حاصل کرتے

ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں پسند کرتے ہیں۔

چنانچہ اہل قبا کی یہ عادت تھی کہ وہ جب بھی وضو کرتے تو ''اسباغ وضو'' یعنی اچھے طریقے سے وضو کرتے تھے۔ مسجد قباوالے مسلمانوں سے پوچھا گیا کہ آپ لوگوں کے کس عمل کی وجہ سے اللہ تعالی نے آپ کی طہارت کی تعریف فرمائی ہے؟ توانہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ قضائے حاجت کے بعد ڈھیلے بھی استعمال کرتے ہیں اور پھر پانی سے بھی طہارت حاصل کرتے ہیں۔ اس بناپر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔

خلاصۂ کلام:

جن چیزوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرتے ہیں اور درجات بلند فرماتے ہیں، ان میں سے ایک ''اِسباغ الوضوءعلی المکارہ'' ہے۔ یعنی آپ کے لیے وضو کرنا مشکل اور طبعی طور پر ناپسند ہو، لیکن پھر بھی آپ مکمل وضو کریں تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرماتے ہیں اور درجات بلند کرتے ہیں۔

آج اتنا ہی کافی ہے۔ باقی ان شاء اللہ بعد میں بیان کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دوزخیوں اور جنتیوں کی خوشی اور غم

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر جنتیوں سے کہہ دیا جائے کہ تم جنت میں اتنی مدت رہنا جتنی سنگریزوں کی تعداد ہے تو وہ یہ سن کر غمگین ہو جائیں گے اور اگر دوزخ والوں سے کہہ دیا جائے کہ تم دوزخ میں اتنے برسوں رہنا جتنی سنگریزوں کی تعداد ہے تو وہ یہ سن کر خوش ہو جائیں گے۔

(انمول خزائن: ۹۶، بحوالہ تفسیر مظہری: ۶/۵۹)

﴿بیاناتِ جمعہ﴾

تقوی کے معنی اور علامات

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

الحمد للّٰہ و کفی والسلام علی من لانبی بعدہ، أما بعد ! فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. قال اللّٰہ تعالی: ﴿یآ أیھاالذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ و کونوا مع الصّٰدقین﴾(التوبة :۱۱۹)

وقال النبیﷺ:إن الله يحب العبدَ التقيَّ الغنيَّ الخفيَّ.(صحیح مسلم)

امابعد!

اللہ رب العزت کی حمد وثنا کے بعد جو آیتِ کریمہ آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اللہ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

مسلم شریف کی روایت ہے، حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی تقی، غنی اور خفی کو پسند فرماتا ہے، یعنی اللہ تعالی کا محبوب ترین اور پسندیدہ شخص وہ ہے جو پرہیزگار ہو، مالدار ہو اور گوشہ نشین ہو۔

تقوی کی تعریف:

اب تقوی اور پرہیزگاری ہے کیا چیز؟ اور اس کی علامتیں کیا ہیں؟ تو ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت اُبی ابن کعبؓ سے تقویٰ کی تعریف پوچھی کہ تقوی کیا چیز ہے؟ تو حضرت کعبؓ نے فرمایا:

"أماسلكت طريقا ذا شوك؟ "

کیا آپ کا گذر کسی خاردار جھاڑیوں والے راستے سے نہیں ہوا؟ دیکھیں! جس طرح اللہ تعالیٰ مثالوں سے بات سمجھا دیتے ہیں، اسی طرح صحابہ کرامؓ بھی بات سمجھانے میں امثال کا سہارا لیتے تھے، کیونکہ مثال سے بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔ اس لیے حضرت اُبی ابن کعبؓ نے مثال دی۔ تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں خاردار جھاڑیوں والے راستے سے گزرا ہوں۔ فرمایا: اُس وقت آپ کی

کیا کیفیت ہوتی ہے؟یعنی آپ کس طرح گزرتے ہیں؟ تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ''میں اپنے کپڑوں کو سمیٹتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ کوئی کانٹا میرے کپڑوں اور بدن پر نہ لگے''۔تو حضرت ابی ابن کعبؓ نے فرمایا:''**فذلک التقوی**''(کہ یہی تقویٰ ہے)۔(تفسیر فی ظلال القرآن)

تو تقوی نام ہے اس چیز کا کہ اپنے آپ کو شرک سے،بدعت سے،کفر سے اور تمام گناہوں سے اس طرح بچائے رکھیں،جس طرح آپ خاردار درختوں سے گزرتے ہوئے اپنے بدن اور کپڑوں کو بچاتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں اللہ تعالیٰ کا خوف مفقود ہے۔لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے،دھڑا دھڑ گناہ کرتے ہیں اور کسی کو فکر ہی نہیں ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ہمارا عقیدہ کمزور ہے،گناہ پر اصرار بھی کرتے ہیں اور فخر بھی اور شرماتے نہیں۔تو گناہ کرنا یہ الگ گناہ ہے اور اس پر اصرار کرنا یہ الگ گناہ ہے۔اگر دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو یہ نافرمانی سرزد نہ ہوتی اور جب اللہ کا خوف نہ ہو تو پھر بندہ ہر قسم گناہ کے ارتکاب سے دریغ نہیں کرتا۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اتق اللّٰہ حیث ما کنت''.(شعب الایمان للبیھقي)

تم جہاں کہیں بھی ہو،اللہ سے ڈرتے رہو،خلوت میں ہو یا جلوت میں۔غمی میں ہو یا خوشی میں،فقیری میں ہو یا مالداری میں؛غرض ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

نبی کریم ﷺ نے معاذؓ کو یمن کا گورنر بنایا تھا۔روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب ان کو رخصت فرمارہے تھے تو وہ سواری پر سوار تھے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ پیدل چلتے ہوئے فرمارہے تھے:

'' یا معاذ ! إنك عسیٰ أن لا تلقاني بعد عامي ھذا ،أولعلك أن تمرّ بمسجدي ھذا أوقبري، فبکی معاذ جشعا لفراق رسول اللہ ﷺ ثم التفت فأقبل بوجھه نحوالمدینة ، فقال: إن أولی الناس بي المتقون ، من کانوا وحیث کانوا ''.

(مرقاۃ: رقم الحدیث: **5227**)

ترجمہ:اے معاذ! شاید کہ اس سال کے بعد آپ کی ملاقات مجھ سے نہ ہو سکے اور شاید تمہارا گذر میری اس مسجد یا قبر پر ہو۔تو حضرت معاذ بن جبل آپ ﷺ کے فراق پر شدتِ محبت کی وجہ سے رونے لگے۔آپ ﷺ نے چہرہ مبارک مدینہ کی طرف پھیر دیا(کہ ایسا نہ ہو کہ میری

آنکھوں میں آنسوں آجائیں تو یہ اور روئیں گے)اور فرمایا: (لیکن ایک چیز ذہن میں رکھو)
کہ قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو متقی اور پرہیزگار ہو، جہاں
کہیں بھی ہو اور جو بھی ہو۔

یہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو وصیت کی کہ اگر آپ میں تقویٰ کی صفت پائی جائے تو آپ جہاں پر بھی ہوں، قیامت کے دن آپ میرے قریب ہوں گے۔

تقویٰ یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر سمجھیں، چاہے آپ کے پاس مال ہو یا نہ ہو، چاہے آپ کے پاس علم ہو یا نہ ہو، چاہے آپ کے پاس عہدہ ہو یا نہ ہو۔بس اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا یہی تقویٰ ہے۔ اگر یہ چیز ہمارے معاشرے میں آجائے تو باہمی محبت ہوگی ،لیکن یہ چیز مفقود ہے۔ ہر ایک کہتا ہے میں سب سے بڑا ہوں۔ ہر ایک اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے کہ میرے پاس مال ہے، میرے پاس گاڑیاں ہیں، میرے پاس دولت ہے۔ یہ الفاظ ''کہ میں میں ہوں'' بہت خطرناک الفاظ ہیں۔فرعون بھی کہتا تھا کہ **"أنا ربکم الاعلی"**۔اللہ تعالیٰ نے اس کو سمندر میں غرق کیا۔

اپنے آپ کو کم تر سمجھنا اور کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا اس بات کی بنیاد ہے کہ حق بات اگر آپ کے سامنے آجائے تو اُسے سننے اور ماننے پر دل آمادہ ہو۔ یہ کہنا کہ فلاں حق بات میرے مزاج کے خلاف ہے تو یہ تقوی کی منافی بات ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ:

**برآں کس معرفت خدا حرام است		کہ خود را از فرنگ کافر بہتر دارد**

وہ شخص جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہو، اس پر حرام ہے اپنے آپ کو کافر سے بہتر سمجھنا۔ بحیثیت انسان ہم سارے اللہ کے بندے ہیں، لیکن ہم ان سے افضل اس لیے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور وہ کافر ہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ کسی کافر کو اللہ تعالیٰ ایمان کی دولت دے دے اور پھر وہ ہم سے بہتر ہو۔ تو اپنے آپ کو کم تر سمجھنا یہ تقویٰ کی ایک صفت ہے۔

تقویٰ کی علامات میں سے یہ ہے کہ کوئی مصیبت ،تکلیف یا کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس پر صبر کرنا، یہ تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے جھک جانا، اس کے مقابلے میں کسی کا حکم نہ ماننا اور آخرت کو دنیا پر ترجیح

دینا، یہ تقویٰ کی صفات ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا محبوب ترین شخص وہ ہے، جو پرہیزگار ہو اور درجہ بالا صفات کا حامل ہو۔ نیز قرآن کریم میں بھی متقیوں کی صفات ذکر کی گئی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴿٣﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴿٤﴾ اُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿٥﴾ (البقرة)

ترجمہ: (متقین وہ لوگ ہیں) جو اَن دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا، اس میں سے (اللہ کی خوشنودی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں اور جو اس (وحی) پر بھی ایمان لاتے ہیں، جو آپ پر اُتاری گئی اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اُتاری گئی اور آخرت پر وہ مکمل یقین رکھتے ہیں، یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی طرف سے صحیح راستے پر ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ تقویٰ کی صفت اپنے اندر پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ (الرحمن: ٤٦)

جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا، اس کے لیے دو باغات ہیں یعنی وہ جنتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس گناہ کے سارے اسباب موجود ہیں، وہ گناہ کر سکتا ہے، کوئی اس کو دیکھنے والا نہیں ہے، کوئی رکاوٹ نہیں، چوری کر سکتا ہے، ڈاکہ ڈال سکتا ہے، بدکاری کا ارتکاب کر سکتا ہے، شراب پی سکتا ہے؛ لیکن پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے گناہ چھوڑ دے، گناہ کا ارتکاب نہ کرے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دو باغات دیں گے۔

حکایت:

بخاری شریف کی روایت ہے کہ گزشتہ اُمتوں میں سے کسی اُمت کے تین بندے کسی سفر پر جا رہے تھے، راستے میں بارش کی وجہ سے وہ کسی غار میں چھپ گئے، بارش اور ہوا کی وجہ سے ایک بڑی چٹان اس غار کے سامنے آ گری اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ اب کیا کریں؟ تو تینوں نے کہا کہ اگر ہم میں سے کسی نے اچھا عمل کیا ہو تو

ہرایک اپنا اپنا عمل اللہ کے سامنے بطورِ وسیلہ پیش کرے......(ایک ھوتا ہے وسیلہ بالذات یعنی کسی کی ذات کو وسیلہ بنانا اورایک ھوتا ہے وسیلہ بالاعمال یعنی اعمال کو وسیلہ بنانا۔ یہ الگ موضوع ہے)......تو انہوں نے اپنے اپنے اعمال کو وسیلہ بنایا۔

چنانچہ ایک نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا تھا، اُس نے وہ عمل بطورِ وسیلہ ذکر کیا، دوسرے نے مزدور کو مزدوری دی، لیکن اس نے لینے سے انکار کیا اور چلا گیا اور بعد میں جب وہ آیا تو اس کی مزدوری سے اس نے کاروبار چلایا تھا اور خوب منافع کمایا تھا، اس کاروبار میں اس نے گائے، بیل، بکریاں اور اونٹ وغیرہ اس کے مال سے کمائے تھے۔ پھر جب وہ شخص اپنی اجرت کا مطالبہ کرنے آیا کہ میری مزدوری دے دو۔ تو اس نے کہا کہ یہ تمہاری مزدوری ہے۔ تو اس نے کہا کہ آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں؟ کہا: نہیں، بلکہ دراصل آپ کی مزدوری سے میں نے کاروبار شروع کیا، تو اس کے نتیجے میں یہ سب اموال منافع میں حاصل ہوئے۔ اس نے کہا کہ یہ کام میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا تھا۔ اے اللہ! اس عمل کی برکت اور وسیلے سے اس غار کا منہ کھول دیں۔ چنانچہ پہلے شخص کے وسیلہ سے غار کا کچھ منہ کھل گیا اور اسی طرح دوسرے شخص کے وسیلے سے بھی غار کا کچھ منہ کھل گیا۔

تیسرے نے کہا کہ میری ایک چچازاد بہن تھی اور مجھے بہت زیادہ پسند تھی تو میں نے اس کو گناہ کی دعوت دی تو اس عورت نے کہا کہ آپ سو دینار دے دیں......(بخاری شریف کی روایت ہے)......تو میں سو دینار کے عوض تیار ہوں۔ چنانچہ میں سو دینار جمع کر کے لایا، جب میں گناہ کے لیے بالکل تیار ہو گیا یعنی گناہ کا ارتکاب کرنے سے کوئی مانع نہیں تھا تو اس لڑکی نے مجھ سے کہا: "**یا عبداللّٰہ! اتق اللّٰہ**" (اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈرو اور اس گناہ کو چھوڑ دو، لہذا میں نے وہ گناہ چھوڑ دیا۔ تو اے اللہ! اس عمل کے وسیلے سے غار کا منہ کھول دے تو اللہ تعالیٰ نے غار کا منہ مزید کھول دیا اور وہ تینوں آدمی اُس غار سے نکل گئے۔

دوسرا لفظ "الغنیٰ" ہے۔ غنی دو قسم کا ہوتا ہے: (ا) ظاہری مالدار (سرمایہ دار) (۲) دل کا غنی، یہ دوسری قسم اعلیٰ ہے۔ ایک آدمی مالدار ہے، وہ اس مال سے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے اور مخلوق کا بھی، وہ بھی اللہ کو پسند ہے۔ البتہ وہ مالدار جو صرف مال جمع کرتا رہتا ہے، وہ غنی نہیں۔ اور دوسرا غنی (دل کا غنی) وہ ہے کہ جس کے پاس اتنا مال تو نہیں ہوتا، لیکن اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرتا رہتا ہے۔ اصل غنی یہی ہے۔ یہ دل کا

بادشاہ کہلاتا ہے۔

تیسرا لفظ ''الخفی'' ہے، یعنی وہ مالدار جو پوشیدہ طور پر اپنا مال خرچ کرتا ہے، وہ بھی اللہ کو پسند ہے۔

تو یہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں: (۱) ایک متقی (۲) غنی، جو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے حقوق ادا کرتا ہے۔ (۳) خفی، جو اپنا مال پوشیدہ طور پر خرچ کرتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دینِ متین کی نشر واشاعت اور اسلامی صحافت کی ترویج میں

''ماہنامہ ندائے حسن'' کا ساتھ دیجیے!!

دین کی نشر واشاعت میں ماہنامہ ندائے حسن چارسدہ کا ساتھ دینے کے لیے آپ خود بھی اس کے قاری بن جائیں اور اپنے اعزہ واحباب کو بھی اس کارِ خیر میں شرکت کی دعوت دیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہماری اور آپ کی دعوت سے کسی مسلمان بھائی کو قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور زندگی سنوارنے کا موقع مل جائے اور ہم اس کے نیک اعمال میں برابر کے حصہ دار بن جائیں!

مستقل قاری بن کر آپ صرف 300 روپے سالانہ میں گھر بیٹھے ماہنامہ ندائے حسن کا شمارہ پڑھ سکتے ہیں۔ آج ہی اپنا نام اور ڈاک پتہ بھیج کر اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت میں اپنا حصہ ڈالیں۔

فون نمبر: 03369985724.0916513080

ای میل ایڈریس: Muftifahim@gmail.com

ای میل ایڈریس: atifshah336@gmail.com

دارالافتاء

مفتی حمیداللہ جان
0333-9133080

اپنے مسائل کا جواب پوچھنے کے لیے آپ ماہنامہ ندائے حسن کے ڈاک پتے یا ای میل پر سوال بھیج سکتے ہیں۔ سوال پوچھنے میں یہ خیال رکھیں کہ وہ مفید اور قابل اشاعت ہونے کے ساتھ ساتھ مسلکی طور پر اختلافی نہ ہو۔

صاحب نصاب کے لیے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ اور فرضیتِ حج کی وضاحت

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں 2018ء میں ریٹائرڈ ہوا۔ میں نے اپنی پنشن کی رقم (17 لاکھ روپوں) اور بیوی کے کچھ زیورات سے دو پلاٹ تجارت کی نیت سے خرید لیے، جو اَب تک بہ نیتِ تجارت موجود ہیں، جن کی موجودہ قیمت پچیس لاکھ روپے ہے۔ ان دو پلاٹوں کے علاوہ میں نے ایک ساتھی کے ساتھ مل کر مشترکہ طور پر ایک گھر خریدا، تاکہ اس کا کرایہ حاصل کر سکیں۔ پھر میں نے اس مشترکہ گھر کا بقیہ حصہ بھی اپنے ساتھی سے خریدلیا۔ اب وہ سارا گھر میری ملکیت میں ہے، جس کو بھی میں نے حسب سابق کرایہ پر دیا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ میں نے گزشتہ سالوں میں سے صرف دو سالوں کی زکوٰۃ ادا کی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا میرے ذمے بقیہ سالوں کی زکوۃ ادا کرنا شرعاً لازم ہوگا یا نہیں؟ اگر ادا کرنا ضروری ہے تو اس کی ادائیگی کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ اسی طرح کرایہ پر دیے ہوئے مکان کی زکوۃ کس طرح ادا کرنی ہوگی؟ نیز مذکورہ سرمایہ کی وجہ سے مجھ پر حج فرض ہے کہ نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

مذکورہ بالا سوال میں چند اُمور کا جواب مطلوب ہے، جو درج ذیل ہیں:

1. تجارتی پلاٹوں میں زکوٰۃ کا حکم اور گزشتہ سالوں کی ادائیگی زکوٰۃ کا طریقہ کار
2. کرایہ پر دیے ہوئے مکان کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ کار
3. مذکورہ مالیت میں سائل پر حج فرض ہونے کی وضاحت

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو شرعی نقطہ نظر سے جو پلاٹ تجارت کی نیت سے خریدا جائے اور خریدار پہلے سے صاحبِ نصاب ہو یا اس پلاٹ کی قیمت ،نصاب (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت) کے برابر ہو تو اس صورت میں اس پلاٹ کی موجودہ مالیت پر زکاۃ لازم ہوتی ہے، لہذا مذکورہ پلاٹوں کی مالیت سے چونکہ آپ صاحبِ نصاب بن چکے تھے، اس لیے اس کی زکاۃ دینا آپ پر واجب ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ گزشتہ سالوں کی زکوۃ بھی ادا کریں گے۔

رہی گزشتہ سالوں کی زکاۃ ادا کرنے کا طریقہ کار......تو پہلے آپ سابقہ تمام سالوں کی مالیت میں ہر ایک سال کا الگ الگ اندازہ لگائیں اور پہلے سال کی مجموعی مالیت کی ڈھائی فیصد زکاۃ نکال لیں، پھر دوسرے سال کی مجموعی رقم سے گزشتہ سال کی زکوٰۃ منہا کر کے باقی ماندہ رقم کی ڈھائی فیصد زکوٰۃ نکال لیں۔ لہذا جن سالوں کی زکوۃ ادا نہیں کی ہو، ان تمام سالوں کی مالیت سے مذکورہ ترتیب سے زکوۃ ادا کریں۔ تاہم اگر سابقہ سالوں کی مالیت کا اندازہ لگانا مشکل ہو تو پھر تمام پلاٹوں کی موجودہ مالیت کا مجموعی اندازہ لگا کر درجہ بالا ترتیب سے زکوٰۃ ادا کریں۔

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو شرعی اعتبار سے کرایہ کے لیے خریدے ہوئے مکان کی مالیت پر زکوۃ نہیں ہے، البتہ اس کے کرایہ سے حاصل ہونے والی آمدنی پر زکوۃ لازم ہے، اس حوالے سے اگر سائل پہلے سے صاحب نصاب ہو تو آمدنی (کرایہ) سے بچا ہوا مال بھی سابقہ مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ نکالی جائے گی اور اگر وہ پہلے سے نصاب کا مالک نہ ہو تو پھر آمدنی (کرایہ) کی مالیت کو دیکھا جائے گا، اگر وہ نصاب کے بقدر ہو تو پھر سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی، ورنہ بصورتِ دیگر زکوۃ لازم نہ ہو گی۔

مذکورہ صورت میں چونکہ سائل صاحبِ نصاب ہے، اس لیے اس کے گھر کے کرایہ کی آمدنی کو دیگر اموال کے ساتھ جمع کیا جائے گا اور پھر تمام سرمائے سے ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو گا۔

جہاں تک تیسری بات کا تعلق ہے تو شریعت مطہرہ کی رو سے ہر اس شخص پر حج فرض ہوتا ہے، جو بیت

اللہ تک آنے جانے اور وہاں قیام وطعام کے خرچ پر قدرت رکھے اور اپنے اہل وعیال کے لیے اتنی رقم چھوڑے، جو اس کی واپسی تک ان کے اخراجات کے لیے کافی ہو۔لہٰذا اگر آپ کے پاس اتنا مال ہے کہ بیت اللہ کا سفر کر کے وہاں قیام طعام کے خرچ پر قدرت حاصل ہو تو آپ پر حج فرض ہے، بشرطیکہ اتنی مدت کے لیے اہل وعیال کا خرچہ چھوڑنے پر بھی قدرت ہو۔

والدلیل علی ذلک:

وإن اشترى شيئاً ونواه للتّجارة كان للتجارة لإتصال النية بالعمل ، بخلاف ماإذا ورث ونوى للتجارة، لأنه لاعمل منه ولوملكه بالهبة أوبالوصية أوالنكاح أوالخلع أوالصلح عن القود ونواه للتجارة كان للتجارة. (الهداية،كتاب الزكاة:1 /203 الميزان)

ومنه: إذا آجرداره أوعبده بمائتي درهم، لاتجب الزكاة مالم يحلّ الحول بعدالقبض في قول أبي حنيفةؒ. (فتاوى قاضي خان،1/223مكتبه رشيديه)

ومنه: وتعتبرالقيمة يوم الوجوب وقال يوم الأداء، وفي السوائم يوم الاداء إجماعا وهوالأصح.(الدرالمختار،كتاب الزكاة:3/251مكتبه رشيديه)

ومنهماالقدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك أوالإجارة .... و تفسيرملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته وهوماسوى مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدرمايبلغه إلى مكة ذاهباوجائيا، راكبالاماشياوسوى مايقضي به ديونه ويمسك لنفقة عياله ومرمة مسكنه ونحوه إلى وقت انصرافه. (الفتاوى الهندية،كتاب المناسك،باب في تفسيرالحج وشروطه: 1/240)

﴿اخبار جامعہ﴾

جامعہ کے شب وروز

مولانا امجد علی حقانی

تعلیمی سال نمبر ۱۴ کا آغاز :

تعلیمی سال نمبر۱۴ کے لیے داخلوں کا افتتاح آٹھ شوال المکرّم بروزِ ہفتہ کیا گیا۔قدیم طلبہ کے علاوہ تقریباً ایک سو پچاس سے زائد جدید طلبہ کرام نے اپنے تعلیمی سفر کے لیے جامعہ حسن کا انتخاب کر کے امتحان ِداخلہ میں حصہ لیا،جس میں تخصص فی الفقہ کے فضلاءِ کرام بھی شامل تھے۔نتائج کا اعلان ۱۶/شوال کو ہوا،اگلے روز یعنی بروز اتوار کامیاب طلبہ کا انٹرویو لیا گیا۔۱۹/شوال کو باقاعدہ اسباق کا افتتاح کیا گیا۔

تعلیمی اور انتظامی مشورے کا انعقاد :

چونکہ جامعہ کے تمام کام باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں،اس لیے اسباق اور انتظامی امور کے حوالے سے 31 /مئی 2023ء کو مختلف مشوروں کا آغاز ہوا۔

ماھانہ تعلیمی جائزہ ونتائج:

جامعہ کے تعلیمی سال نمبر 14 کا پہلا تعلیمی جائزہ 21/ جون 2023ء بمطابق 02/ ذوالحجہ 1444ھ بروز بدھ لیا جائے گا۔

جامعہ کی مسجد پر تعمیری کام :

جامعہ حسن کے لیے جو زمین خریدی گئی تھی،اس میں طلبہ کی ضروریات کے مطابق ایک بہترین مسجد پر کام کرنے کی منظوری مجلس شوریٰ نے دی تھی،جس پر باقاعدہ کام شروع کیا گیا۔فی الحال بیسمنٹ پر کام شروع ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی جملہ ضروریات کو خزانہ غیب سے پورا فرمائے۔